جلد 7 شمارہ 8 اکتوبر 2005ء شعبان 1426ھ
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ○ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی ○ (الاعلیٰ 14-15)
بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔
وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا
اللہ
محبت
صداقت
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار
ماہنامہ
فلاح آدمیت
گوجرانوالہ
Registerd
CPL No.
سلسلہ عالیہ توحیدیہ
مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

ماہنامہ

آدمیت فلاح

گوجرانوالہ

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح و فلاح کا علمبردار

بیادگار خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ

بانی سلسلہ

نگران و سرپرست

محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 7 شمارہ 18 اکتوبر 2005ء شعبان 1426ھ

ایڈیٹر وحید احمد

قیمت ——— -/20 روپے

سالانہ فنڈ ——— -/200 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

محمد صدیق ڈار توحیدی

مرکز تعمیر ملت نزد وحید کالونی کوٹ شاہاں گوجرانوالہ

Ph:0431-862835

Mob: 0320-5793520

ایڈیٹر سے رابطہ کے لئے:

وحید احمد

تھانہ روڈ بلدیہ مارکیٹ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

Ph:0431-881379

عامر رشید انصاری نے معراجدین پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-222020

E-mail: tohidia@hotmail.com

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

روحانی بارش کا موسم پھر آگیا

(مولانا عبدالماجد دریابادیؒ)

چاند اپنے سفر کی گیارہ منزلیں طے کر کے پھر وہیں آگیا جہاں آج سے ایک سال قبل تھا۔ روحانی بارش کا موسم پھر آگیا۔ دلوں کی کھیتی پھر ہری ہونے لگی، رحمتوں کی گھٹائیں پھر چھم چھم برسنے لگیں۔ برکتوں کے کنول پھر کھلنے لگے۔ عفو و مغفرت کے خزانے ایک بار پھر وقف عام ہو گئے۔ جنت کا ٹکٹ پھر ارزاں ہو گیا۔ آپ مسلمان ہیں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوئے۔ مسلمانوں کا نام اور وضع رکھتے ہیں۔ اپنے رب غفور کی ان بخششوں سے کیا خدانخواستہ آپ فائدہ نہ اٹھائیں گے؟ پروردگار رحیم و کریم کی ان فیاضیوں کو کیا خدانخواستہ آپ اپنے حق میں بے کار رکھیں گے؟ موسم گل شباب پر ہے آپ وسط چمن میں ٹہل رہے ہیں۔ پر آپ خوشبو کو روکنے کے لئے اپنی ناک پر مضبوط غلاف چڑھائے ہوتے ہیں! اشرفیاں لٹ رہی ہیں اور آپ کی گود میں آ آ کر گر رہی ہیں، پھر آپ انہیں ہاتھ سے جھٹک کر اپنی کوڑیوں کے کھیلنے میں لگے ہوتے ہیں۔ پختہ، وسیع، ہموار سڑک روشنی سے پڑی جگمگا رہی ہے، پر آپ تنگ و تاریک ناہموار، پر خار پگڈنڈیوں پر چل کر اپنے پیروں کو ہلکان کر رہے ہیں! رمضان کا ماہ مبارک اپنی تمام لذتوں اور راحتوں مسرتوں اور فرحتوں کی دعوت آپ کو دے رہا ہے۔ جنت کی نعمتیں خود اپنے آپ کو آپ پر پیش کر رہی ہیں۔ لطافتیں اور طہارتیں خود آپ سے ہم آغوش ہونے کو بڑھ رہی ہیں، پھر آپ ہیں کہ اپنی تجارت اپنی دکانداری اور پنی ٹھیکہ داری، اپنی وکالت اور اپنی طبابت اپنی نثاری، اپنی شاعری اپنی ماسٹری اور اپنی انسپکٹری اپنی منیجری اور اپنی ایڈیٹری، اپنی ججی اور اپنی بیرسٹری، اپنی تحصیلداری اور اپنی ڈپٹی کلکٹری کی دھن میں ایسے مست و مدہوش ہو رہے ہیں کہ ناک رکھتے ہیں مگر خوشبو کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ آنکھ رکھتے ہیں مگر روشنی سے محرومی اختیار کر لی ہے۔ بیمار ہیں مگر دوا نہ کرنے کی قسم کھالی ہے نادانی، بے عقلی، ناعاقبت اندیشی، بدقسمتی حرماں نصیبی کی اس سے بڑھ کر کیا مثال تلاش کر کے بھی پیدا کرنی آسان نہیں!

سورہ بقرہ منتخب آیات کا ترجمہ اور تفسیر

(ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ)

الٓمّٓ ج ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ج فِيْهِ ج هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ لا

''ال م۔ یہ (آسمانی مقدس) کتاب ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔ یہ متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔'' (البقرہ:۱)

عظیم ترین معجزہ

سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت اپنی جگہ ایک معجزے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ دعویٰ کہ یہ کتاب آسمانی ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں انسانی تاریخ کا عظیم ترین معجزہ ہے۔ اس وقت بھی اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ تھی، جب یہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں تھی اور صحابہؓ کے پاس تھی اور اب بھی اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ یعنی ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے بعد بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس سے پہلے انسانوں نے اپنے اغراض و مطالب کی خاطر آسمانی کتب بدل ڈالیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کتاب تمام آسمانی کتابوں کا نچوڑ ہے اور آخری اور کامل کتاب ہونے کے ناطے چونکہ یہ کتاب پوری انسانیت کے لئے ہے، اس لئے اس میں تبدیلی ناممکن ہی نہیں امر محال ہے۔ اس کتاب ہدایت کا پہلا دعویٰ ہی یہ ہے کہ یہ محفوظ ہے۔ یہ دعویٰ قرآن پاک میں اتنی جگہوں پر آیا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

انا نحن نزلنا الذکر و اناله لحفظون ہ

''ہم ہی ہیں جنھوں نے اس نصیحت (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' (الحجر:۹)

اور پھر ارشاد ہوا:

وانہ لکتٰب عزیز لا لا یاتیه الباطل من بین یدیه ولا من خلفه ط تنزیل من حکیم حمید ہ

''یہ ایک عالی مرتبہ کتاب ہے۔ اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے نہ پیچھے سے

(اور) یہ دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے۔" (حم السجدہ: ۴۲-۴۱)

وتمت کلمت ربك صدقا وعدلا ط لامبدل لکلمٰتہ ج

"تمہارے پروردگار کی بات سچائی اور انصاف میں کامل ہے۔ اس کے کلام کو کوئی بدلنے والا نہیں۔" (الانعام: ۱۱۵)

دراصل یہ دعویٰ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ کوئی انسان آج بھی اپنی کسی تصنیف کے بارے میں یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ محفوظ رہے گی اور اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔ اگر کوئی شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے تو لوگ اسے پاگل اور دیوانہ سمجھیں گے۔ اکیلے آدمی کا دعویٰ تو ایک طرف کوئی ایک حکومت بلکہ دنیا بھر کی تمام حکومتیں مل کر بھی ایک دستاویز کے بارے میں فیصلہ کرلیں کہ وہ محفوظ رہے گی اور اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں تو یہ بات نا قابل قبول ہے۔ اس لئے کہ چند نسلوں کے بعد یا چند صدیوں کے وہ کتاب ناپید ہوتی چلی جائے گی۔ یا پھر اس کے کئی نسخے مختلف جگہوں پر ہوں گے اور بہت ممکن ہے کہ وہ آپس میں مل ہی نہ رہے ہوں۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ وہ زبان جس میں یہ دستاویز لکھی گئی ہوگی، بدل جائے گی بلکہ وہ زبان ہی اس طرح ناپید ہو جائے گی جیسے عبرانی وغیرہ ناپید ہوگئیں۔ لیکن قرآن مجید نے یہ بات دعویٰ کے طور پر کہہ دی کہ اس میں تا قیامت کوئی تبدیلی نہ آئے گی اور آج نہ صرف مسلم بلکہ غیر مسلم محققین بھی یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی لاتعداد سازشوں کے باوجود قرآن کریم بالکل محفوظ ہے اور اس میں ایک لفظ تو کیا ایک حرف کی بھی تبدیلی نہیں آئی۔ یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن مجید کو تحریف سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی زبان یعنی عربی کے لئے گھڑی کی سوئیوں کو ٹھہرا دیا ہے۔ عربی زبان جہاں ڈیڑھ ہزار برس پہلے تھی، آج بھی وہیں ہے۔ اس زبان میں نہ تبدیلی آئی ہے اور نہ ہی آئے گی۔ یہ دنیا کی واحد زبان ہے جو اس جگہ قائم ہے جہاں چودہ سو برس قبل تھی۔ یوں زبان کی حفاظت بھی ہوگئی اور کتاب کی بھی۔

قرآن پاک کے تحریف اور شک وشبہ سے پاک ہونے کا دعویٰ ایک عظیم الشان معجزہ ہے جو ہمیشہ رہے گا۔ انسانیت کی تاریخ میں اس سے بڑا معجزہ اور کوئی نہیں جو ہر مسلم گھرانے میں ہمیشہ سے موجود ہے اور ڈیڑھ ہزار برس سے اپنے دعویٰ کو دہرا رہا ہے۔ ہر شخص یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ کتاب وہی ہے جو رسول امین ﷺ کے ہاتھوں میں تھی۔ یہودی و نصاریٰ کو اس مقدس کتاب

کے وحی الٰہی ہونے میں تو اختلاف ہوسکتا ہے لیکن اس کتاب میں تحریف وتبدیلی نہ ہونے پر کوئی اختلاف نہیں اور وقت نے روز بروز اس دعویٰ کی سچائی کو ثابت کیا ہے۔ یہ معجزہ اسلام اور قرآن کی حقانیت کی بہت بڑی دلیل ہے۔

انسانوں کے تین گروہ

سورۃ فاتحہ میں مسلمانوں کی دعا بیان کی گئی تھی کہ

اھدنا الصراط المستقیم ۙ

''ہمیں سیدھا راستہ دکھلا۔''

صراط مستقیم دو حصوں پر مشتمل ہے:

اول ہدایت نظری۔

دوم ہدایت عملی۔

ہدایت نظری عطا کرنے کے لئے اللہ جل شانہ نے انبیاء ورسل پر آسمانی کتب اور صحائف نازل کئے۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہدایت نظری آسمانی کتب وصحائف کی شکل میں آ گئی جبکہ ہدایت عملی انبیاء اور رسولوں کی پاکیزہ زندگیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تعلیمات واحکامات کا عملی نمونہ ہیں۔

جب کبھی اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صراط مستقیم دکھلانے کے لئے نبی یا رسول مبعوث کئے تو لوگ تین گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ مومنین، کفار اور منافقین۔ ذیل میں ان کی صفات بیان کی جاتی ہیں۔

صفات مومنین

مؤمنین وہ لوگ ہیں جو سچے دل سے ایمان لائے ہیں۔ قرآن مجید فرقان حمید کا ہر موضوع انسان اور اس کی فلاح ہے اور فلاح کا راستہ تقویٰ ہے۔

سورۂ بقرہ کے آغاز ہی میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ھدًی للمتقین ۙ

''(قرآن) متقی لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔'' (البقرہ:۲)

یعنی ان لوگوں کے لئے جو متقی بننا چاہیں۔

متقی کون ہیں؟

سورۂ بقرہ میں متقین کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں:

پہلی صفت: یہ لوگ محسوسات کو اپنے پاؤں کی زنجیر نہیں بننے دیتے اور محسوسات سے کچھ آگے دیکھ لیتے ہیں یعنی ایمان بالغیب رکھتے ہیں۔

دوسری صفت: نماز قائم کیے رکھتے ہیں۔

تیسری صفت: اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یہ لوگ بخیل نہیں بلکہ سخی ہوتے ہیں۔

چوتھی صفت: اللہ کا کلام جو حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوا، اس کی تصدیق کرتے ہیں اور یہ لوگ اس کلام الٰہی پر بھی ایمان لے آتے ہیں جو حضورؐ سے قبل نازل ہوتا رہا۔

پانچویں صفت: وہ آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ دراصل یہ احتساب کا تصور ہے۔ وہ شخص کہ جسے جوابدہی کا خوف ہو اس شخص سے بہت مختلف ہوگا جسے کسی جوابدہی کا کوئی خوف نہ ہو۔ ان دونوں اشخاص کی زندگی کے رویوں میں بہت فرق ہوگا۔ احتساب و جوابدہی کے تصور پر ایمان رکھنے والا شخص ہر قدم پھونک پھونک کر رکھے گا جبکہ اس کے مقابلہ میں جوابدہی سے عاری شخص بگٹٹ گھوڑے کی طرح ہوگا کہ جدھر کو منہ اٹھا چل دیا اور جہاں سے جی چاہا چر لیا۔ ممتاز پنجابی صوفی شاعر میاں محمدؒ فرماتے ہیں۔

؎ ساریاں سیاں پانی نوں گئیاں کئی آون بھر بھر کے

جس نے بھریا سر تے دھریا قدم رکھن ڈر ڈر کے

ان پانچ صفات کے حامل افراد کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہوا:

واولٰئک ھم المفلحون ہ

''یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔'' (البقرہ:۵)

عقیدۂ ختم نبوت

مومنین کی چوتھی صفت یہ تھی کہ

والذین یؤمنون بمآانزل الیک وماانزل من قبلک ج وبالاٰخرۃ ھم یوقنون ط

''وہ لوگ جو اس کتاب پر جو تم پر نازل کی گئی ہے (یعنی قرآن) اور جو کتابیں تم سے پہلے

نازل کی گئی تھیں، ان سب پر ایمان لاتے ہیں۔ (البقرہ:۴)

اس سے مراد یہ ہے کہ کلام الٰہی اتنا ہی تھا جو آپؐ پر نازل ہو چکا۔ قرآن پاک میں اس موقع پر یہ نہیں فرمایا گیا **وماینزل من بعدک** یعنی اس کلام پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ کے بعد نازل کیا جائے گا بلکہ قرآن پاک میں کسی جگہ بھی یہ ارشاد نہیں ہوا جیسا کہ اس سے پہلے تمام آسمانی کتب میں صراحتاً یہ بات بیان کی گئی کہ بعد میں بھی انبیاء کا ظہور ہوگا اور کتب سماویہ نازل ہوں گی اور تمام اہل ایمان کو بعد میں آنے والی کتب پر ایمان لانے کا پابند کیا گیا۔ یوں کلام الٰہی صرف وہی بنتا جو محمد رسول اللہ ﷺ پر یا آپؐ سے قبل رسولوں پر نازل ہو چکا ہے۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس پر کلام الٰہی نازل ہوا ہے تو وہ کلام یقیناً اللہ کا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے کیونکہ قرآن مجید کلام الٰہی کی آخری شکل ہے۔

صفات کفار

یہ وہ لوگ ہیں کہ جو اپنے مفادات و اغراض کو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر ترجیح دیتے ہیں اور دنیوی مفادات کے حصول کی خاطر ایمان نہیں لاتے۔ جیسا کہ ابولہب سود کا کاروبار کرتا تھا، اونچ نیچ کا حامی اور مساوات کا دشمن تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اسلام آ گیا تو اس کی جھوٹی حیثیت، استحصالی معیشت، ظالمانہ کاروبار اور سرمایہ کاری بالکل ختم ہو جائے گی۔ اس لئے اس نے ڈٹ کر اسلام کی مخالفت کی۔ یہی مسئلہ ابوجہل کا تھا۔ وہ سیاسی لیڈر تھا، اس لئے اس نے بھی آخری حد تک مخالفت کی۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی ناقدری کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں سزا کے طور پر مزید دور پھینک دیتے ہیں۔

ختم اللہ علیٰ قلوبھم وعلیٰ سمعھم ط وعلیٰ ابصارھم غشاوۃ

''اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی اور آنکھوں پر پردے پڑے ہیں۔'' (البقرہ:۷)

لیکن اللہ تعالیٰ اپنی خوشی سے ایسا نہیں کرتے بلکہ انسان خود اپنے لئے تباہی کا ایسا راستہ کھول لیتا ہے۔ پھر ارشاد فرمایا:

فی قلوبھم مرض لا فزادھم اللہ مرضًا ج

''ان کے دلوں میں (خود پیدا کردہ) بیماری ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس بیماری کو اور بڑھا دیا ہے۔'' (البقرہ:۱۰)

یوں دوسرا گروہ ان لوگوں کا بنتا ہے جنہوں نے اپنے مفادات اور اغراض کی وجہ سے کھلم کھلا جہل اختیار کیا۔

صفات منافقین

ان کی تین صفات اس موقع پر بیان کی گئیں:

پہلی یہ کہ ان کا دعویٰ تو ایمان لانے کا ہوتا ہے لیکن دراصل ان میں ایمان ہوتا نہیں۔

دوسرے یہ کہ ان کو دعویٰ خیر اور فلاح پھیلانے کا ہوتا ہے۔ جبکہ دراصل یہ مفسدین ہوتے ہیں یعنی فساد پھیلانے کا موجب بنتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ اپنے آپ کو انتہائی عقل مند خیال کرتے ہیں حالانکہ یہ نرے گاؤدی اور لال بجھکڑ ہوتے ہیں۔

یہ تینوں صفات ان کے اندر پائی جاتی ہیں ،اس لئے انہیں منافقین کہا گیا۔ جبکہ عام معاملات زندگی میں ان کی چار نمایاں خصوصیات ہیں جو ہمیں حدیث کے ذریعے معلوم ہوئی ہیں۔ ارشاد رسول اکرم ﷺ ہے:

''یہ لوگ جب بات کرتے ہیں تو جھوٹ بولتے ہیں۔ کسی سے جھگڑا ہو جائے تو گالیاں دیتے ہیں۔ کوئی امانت رکھے تو خیانت کرتے ہیں۔ کسی سے عہد کرتے ہیں تو اسے پورا نہیں کرتے۔'' (بخاری)

قرآن کا چیلنج

سورۂ بقرہ کے آغاز میں قرآن مجید کے غیر مشکوک ہونے کے متعلق دعویٰ کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ ہی میں ایک اور دعویٰ کیا گیا ہے جو قرآن مجید میں کم از کم تین جگہوں پر ملتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہٖ وادعوا شھدآءکم من دون اللہ ان کنتم صٰدقین ہ

''اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد عربی ﷺ) پر نازل فرمائی

ہے، کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ، اپنے سارے ہم نواؤں کو بلا لو، ایک اللہ کو چھوڑ کر باقی جس جس کی چاہو، مدد لے لو۔ اگر تم سچے ہو (تو یہ کام کر کے دکھاؤ)۔"
(البقرہ:۲۳)

ذرا غور کیجئے، قرآن پاک دعویٰ کر رہا ہے کہ تم سب خطیب، شاعر، ادیب، نقاد وغیرہ مل کر بھی اس قرآن کی ایک سورۃ جیسی سورۃ لے آؤ۔ یہ ایک بہت بڑا دعویٰ اور چیلنج ہے جو ڈیڑھ ہزار برس سے نہ صرف عرب دنیا بلکہ پوری انسانیت کے لئے ہے۔ اور پھر یہ کسی مخصوص دور کے لئے نہیں بلکہ تا قیامت ہے۔ دنیا کی ہر زبان اور زبان آور کے لئے ہے۔ جہاں بھی کوئی شاعر، ادیب اور نقاد موجود ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ عمدہ سے عمدہ چیز لکھ سکتا ہے تو یہ کلام پاک کا چیلنج ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی کلام لے آئے۔ اس کے ساتھ ہی ایک چیلنج اور بھی کر دیا کہ فیصلہ کے لئے بھی اپنے ہی ساتھیوں کو لاؤ۔ قابل غور بات ہے کہ عموماً مقابلوں میں غیر جانبدار منصفین کا مطالبہ کیا جاتا ہے، لیکن یہاں قرآن پاک چیلنج کر رہا ہے کہ اپنے ہی ساتھیوں کو فیصلہ کے لئے لے آؤ اور پھر کفار سے کہا کہ تم دیکھو گے کہ تمہارے اپنے ساتھی جو تمہاری حمایت بھی کرتے ہیں اور مدد بھی، وہی یہ فیصلہ دیں گے کہ تمہاری لائی ہوئی آیتیں کلام پاک جیسی نہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلام اور کلام پاک کے بڑے سے بڑے مخالفین بھی اس بات کا اعتراف کریں گے کہ کوئی شخص اس کلام پاک کی ایک سورۃ بھی نہ بنا سکے گا۔ پھر اس کے ساتھ ہی قرآن پاک ایک اور دعویٰ بھی کر رہا ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فان لم تفعلوا ولن تفعلوا

"اگر تم ایسا نہ کر سکے اور ہرگز نہیں کر سکو گے۔" (البقرہ:۲۴)

یعنی قرآن کے مقابلے میں کوئی سورۃ نہ لا سکو گے۔ ڈیڑھ ہزار سال سے یہ چیلنج قائم ہے اور [illegible] بھی پوری ہو رہی ہے۔

خلافت آدم

سورہ بقرہ میں خلافت آدم اور تخلیق آدم کا ذکر بڑی تفصیل سے آیا ہے۔

[illegible] تعالیٰ ہے:

واذقال ربك للملئكة انی جاعل فی الارض خلیفة ط

"اور (وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔" (البقرہ:۳۰)

یہ فرمان سن کر فرشتوں نے عرض کیا:

ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك

"اور ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس بیان کرتے رہتے ہیں۔" (البقرہ:۳۰)

یعنی ہمارے ہوتے ہوئے کسی اور کو خلافت کے منصب پر فائز کرنے کی کیا ضرورت ہے اور جس طرح آپ یہ خلیفہ بنا رہے ہیں، یہ تو دنیا میں فساد برپا کردے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو جواب میں فرمایا:۔

انی اعلم مالا تعلمون ٥

"میں وہ (باتیں) جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" (البقرہ:۳۰)

علم وسائنس کی ابتدا اور فضیلت

فرشتوں کو فضیلت آدم کی وجہ سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور فرشتوں کے سامنے کائنات کے حقائق بیان کرنا شروع کر دیئے۔ اگر ذرا غور کیا جائے تو پتا چلتا ہے کہ سائنس کی ابتداء اسی مقام سے ہوئی۔ یعنی سائنس میں ہم پہلے کسی چیز کا نام رکھتے ہیں، پھر اس کی حقیقت اور خواص معلوم کرتے ہیں، پھر دوسری چیز پر بھی یہی عمل کر کے اس کا اول الذکر کے ساتھ تعلق جوڑتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ صفت عنایت فرمادی کہ وہ چیزوں کے نام رکھے اور پھر ان کے خواص وحقائق معلوم کرے۔ چونکہ انسان کو خلیفہ بنایا جانا مطلوب تھا اس لئے اس میں صلاحیتیں بھی زیادہ جمع کر دیں اور پھر جب فرشتوں سے پوچھا کہ بتاؤ ہم نے کیا بیان فرمایا ہے؟ تو ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس پر حضرت آدمؑ نے سب کچھ بتادیا۔ جب فرشتوں پر آدم علیہ السلام کی برتری ثابت ہوگئی تو ان سے کہا گیا کہ آدمؑ کے حضور سجدے میں گر جاؤ۔

یہاں ایک اور حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ اصل برتری دراصل علم ومعرفت کی وجہ سے ہوا کرتی ہے، نفلی عبادات یا تسبیح وتقدیس سے نہیں۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

"ایک فقیہ ہزاروں عابدوں کے مقابلے میں شیطان پر زیادہ بھاری ہے۔"

فرشتے تو سجدے میں گر گئے مگر ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے افضل و برتر ہونے کا دعویٰ کیا۔

انسان و شیطان میں بنیادی فرق

حضرت آدمؑ اور ابلیس کے درمیان ایک بنیادی فرق ہے، دونوں سے غلطی ہوئی تھی مگر ابلیس نے فلسفیانہ انداز میں اسے درست ثابت کرنا شروع کر دیا جبکہ آدم علیہ السلام ندامت کا پیکر بنے۔ اللہ کے حضور تائب ہو گئے۔ پہلے تو عرض کیا کہ غلطی ہو گئی ہے لیکن اب بتائیے کہ آپ کو منانا کیسے ہے؟ کہیں مناتے ہوئے پھر غلطی نہ ہو جائے۔ منانے کا طریقہ حتیٰ کہ وہ الفاظ بھی جن الفاظ میں معافی مانگنا تھی، اللہ تعالیٰ سے سیکھے۔ اور پھر جب معافی مانگی تو اللہ نے معاف کر دیا۔ یہی بنیادی فرق انسان اور شیطان میں ہے کہ انسان غلطی کے بعد شرمندہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جاتا ہے، جبکہ تنگ نظر ابلیس نہ سمجھ سکا کہ اللہ کا منشاء کیا ہے۔ وہ اڑ گیا اور راندۂ درگاہ ٹھہرا۔ وہ فلسفیانہ موشگافیوں، منطقی بحثوں اور مناظرانہ ایچ پیچ میں الجھ کر رہ گیا۔ ادھر حضرت آدمؑ تھے کہ ایک ہی رندانہ جست میں کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ فوراً اپنے قصور کا اعتراف کیا، معافی مانگی اور قصہ پاک ہو گیا۔

؎ رند فارغ بھی ہوئے جام سحر گاہی سے
اور زاہد ابھی آہنگ طہارت میں نہیں

حضرت آدمؑ نے ندامت کے ساتھ توبہ کی تو انہیں معافی عطاء ہوئی۔ بعض لوگ یہ نظریہ اختیار کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ کو سزا کے طور پر زمین میں بھیجا گیا۔ یہ نظریہ قرآن کے خلاف ہے۔ قرآن صاف طور پر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو معاف کر دیا۔ اس کے بعد ترقی دے کر خلیفہ بنا دیا اور پھر زمین میں تقرر کر دیا۔ ہم یعنی بنی آدم یہاں منتقل ہو کر آئے ہوئے ہیں، سزا کے طور پر نہیں۔ اس دنیا میں ہم ایک منصب پر فائز ہو کر آئے ہیں۔ وہ منصب خلافت کا ہے۔ ہم کوئی سزا بھگتنے نہیں آئے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وقلنا اهبطو بعضكم لبعض عدو ج ولكم فى الارض مستـ

ومتاع الی حین ہ

"تب ہم نے حکم دیا کہ (بہشت بریں) سے چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہ
لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کردیا گیا) ہے" (البقرہ:۳۶)
اور دوسری بات یہ کہی:

فامایاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلاخوف علیھم و لا ھ
یحزنون ہ

جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا کہ) جنہوں نے میر
ہدایت کی پیروی کی، ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔" (البقرہ:۳۸)۔

ہدایت ربانی:۔

اللہ کی طرف سے آنے والی ہدایت دراصل پیروی کے لئے ہوتی ہے۔ تلاوت کا معنی بھی
پیروی ہی ہوتا ہے۔ تلاوت کتاب کا لفظی ترجمہ "کتاب کی پیروی کرنا ہے۔" یہاں یہ غلط فہمی بھی
دور ہو جانی چاہئے کہ تلاوت کا مطلب بغیر سوچے سمجھے پڑھے چلے جانا ہے۔ تلاوت کا لفظی معنی
پیروی کرنا ہے۔ یوں قرآن کی تلاوت میں فہم، تدبر اور عملی پیروی کا تصور موجود ہے۔ زمین کی
خلافت عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم جو کام کرو گے، تمہارا نقطۂ نظر یہ ہوگا کہ تمہیں
لوٹ کے ہماری طرف آنا ہے۔ اب تمہاری زندگی کا مقصد پروردگار سے ملاقات ہے۔ تم زندگی
اس انداز میں گزارو کہ لوٹ کر میرے پاس آسکو اور اس انداز میں زندگی مت گزارنا کہ شیطان
کے ساتھی بن جاؤ۔ تم نے اس نظام فطرت کی موافقت میں زندگی گزاری تو یہ عین اسلام ہوگا اور
اگر تم فطرت کے مقاصد کی نگہبانی نہ کر سکے تو یہ کفر ٹھہرے گا۔ (جاری)

معاشرہ پر روزہ کے اثرات

(مولانا ابوالحسن علی ندوی)

روزہ کی خصوصیات اور اس کے فضائل واحکام:۔

اسلام نے روزہ کا جو نقشہ پیش کیا ہے۔وہ قوانین و مقاصد دونوں کے لحاظ سے مکمل ہے۔فائدہ کا سب سے زیادہ ضامن ہے وہ اس میں عزیز وعلیم اور حکیم وخبیر خدا کی حکمت ومشیت پوری طرح جلوہ فگن ہے۔

الا یعلم من خلق و هو اللطیف الخبیر ۃ

کیاوہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے۔

اس نے پورا مہینہ (اور یہ رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا مسلسل مہینہ بھر کے) روزوں کے لئے مخصوص کیا ہے جس کے دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم ہے اور راتوں کو کھانے پینے کی اجازت ہے اس وقت عربوں میں روزہ کا مفہوم یہی تھا اور اسلام کی عالمی شریعت میں بھی اسی کا اعتبار اور اسی پر عمل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:۔

''(روزہ میں) دن کا دائرہ طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہے اس لئے کہ عربوں کا حساب اور ان کے دن کی مقدار اسی بنیاد پر ہے اور عاشورا کے روزہ میں ان کے یہاں یہی بات معروف و مسلم تھی ،مہینہ کا آغاز رویت ہلال سے ہے اور رویت ہلال تک ہے اس لئے کہ عربوں کا حساب شمسی مہینوں پر نہیں چلتا۔''

رمضان کو روزہ کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا؟:

اللہ تعالیٰ نے روزے رمضان میں فرض کئے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دو برکتوں اور سعادتوں کا اجتماع بڑی حکمت اور اہمیت کا حامل ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور گم کردہ راہ انسانیت کو صبح صادق نصیب ہوئی اس لئے یہ عین مناسب تھا کہ جس طرح طلوع

صبح صادق روزہ کے آغاز کے ساتھ مربوط کر دی گئی ہے اسی طرح اس مہینہ کو بھی جس میں ایک طویل اور تاریک رات کے بعد پوری انسانیت کی صبح ہوئی۔ پورے مہینہ کے روزوں کے ساتھ مخصوص کر دیا جائے۔ خاص طور پر اس وقت جب کہ اپنی رحمت و برکت، روحانیت اور نسبت باطنی کے لحاظ سے بھی یہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل تھا اور بجا طور پر اس کا مستحق تھا کہ اس کے دنوں کو روزے سے اور راتوں کو عبادت سے آراستہ کیا جائے۔

روزہ اور قرآن کے درمیان بہت گہرا تعلق اور خصوصی مناسبت ہے اور اسی لئے حضور ﷺ رمضان میں تلاوت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے لیکن رمضان میں جب جبریلؑ آپؐ سے ملنے آتے اس زمانہ میں سخاوت کا معمول اور بڑھ جاتا، جبریل رمضان کی ہر رات میں آپؐ کے پاس آتے اور قرآن مجید کا دور کرتے۔ اس وقت جب جبریل آپؐ سے ملتے۔ آپؐ سخاوت، داد و دہش اور نیکی کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی تیز نظر آتے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس مہینہ کو قرآن مجید کے ساتھ بہت خاص مناسبت ہے اور اسی مناسبت کی وجہ سے قرآن مجید اسی مہینہ کے میں نازل کیا گیا۔ یہ مہینہ ہر قسم کی خیر و برکت کا جامع ہے، آدمی کو سال بھر میں مجموعی طور پر جتنی برکتیں حاصل ہوتی ہیں وہ اس مہینہ کے سامنے اس طرح ہیں جس طرح سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ اس مہینہ میں جمعیت باطنی کا حصول پورے سال جمعیت باطنی کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس میں انتشار اور پریشان خاطری بقیہ تمام دنوں بلکہ پورے سال کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، قابل مبارک باد ہیں وہ لوگ جن سے یہ مہینہ راضی ہو کر گیا اور ناکام و بدنصیب ہیں وہ جو اس کو ناراض کر کے ہر قسم کی خیر و برکت سے محروم ہو گئے۔"

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

"اگر اسی مہینہ میں کسی آدمی کو اعمال صالحہ کی توفیق مل جائے تو پورے سال یہ توفیق اس کی شامل حال رہے گی اور اگر یہ مہینہ بے دلی فکر و تردد اور انتشار کے ساتھ گزرے تو پورا سال اسی

حال میں گزرنے کا اندیشہ ہے۔''

حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو پابہ زنجیر کر دیا جاتا ہے اس سلسلہ کی احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں۔

عبادات کا عالمی موسم اور اعمال صالحہ کا جشن عام:

ان تمام چیزوں نے رمضان کو عبادت، ذکر تلاوت اور زہد وتقویٰ کا ایک ایسا عالمی موسم اور جشن عام کا زمانہ بنادیا ہے جس میں مشرق و مغرب کے تمام مسلمان عالم و جاہل، امیر وفقیر، کم ہمت اور عالی حوصلہ ہر قسم اور ہر گروہ کے لوگ ایک دوسرے کے شریک و رفیق اور ہمدم ودمساز نظر آتے ہیں، یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر ہر گاؤں اور ہر دیہات میں ہوتا ہے، امیر کے محل اور غریب کی جھونپڑی دونوں میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کوئی شخص خودسری اور خود آرائی کرتا ہے، نہ روزے کے لئے دونوں کے انتخاب میں کوئی انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں عطا کی ہیں۔ عالم اسلام کے طویل وعریض رقبہ میں ہر جگہ اس کے جلال و جمال کا مشاہدہ خود کر سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے اسلامی معاشرہ پر نورانیت اور سکینت کا ایک وسیع شامیانہ سایہ فگن ہے، جو لوگ روزہ کے معاملہ میں ذراست اور کاہل ہیں وہ بھی عامۃ المسلمین سے علیٰحدگی کے ڈر سے روزہ رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں اور اگر کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے تو چھپ کر اور شرم کے ساتھ کھاتے ہیں، سوائے ان چند ملحد اور فساق کے جن کو علانیہ بھی اس بے شرمی میں کوئی عار نہیں ہوتا، یا ان بیماروں اور مسافروں کے جو شرعاً معذور ہیں، یہ ایک اجتماعی اور عالمی روزہ ہے جس سے خود بخود ایک ایسی ساز گار اور خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے جس میں روزہ آسان معلوم ہوتا ہے۔ دل نرم پڑ جاتے ہیں اور لوگ عبادتوں اور طاعتوں اور ہمدردی وغمخواری کے مختلف کاموں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

عالمی فضا اور سوسائٹی پر اس کے اثرات:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی چشم بصیرت نے اس کیفیت کو اچھی طرح محسوس کیا تھا''

حدیث (اذدخل رمضان فتحت ابواب الجنة الخ) کی تشریح کر
ہوئے کہتے ہیں۔

''روزہ چونکہ ایک عمومی اور اجتماعی شکل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے وہ رسوم کی دسترس۔
محفوظ ہے۔ اگر کوئی جماعت اور قوم اس کی پابندی کرتی ہے اس کے لئے تو شیاطین قید کر د۔
جاتے ہیں۔ جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جا۔
ہیں، اسی جگہ لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کا مختلف صفوں اور مختلف جماعتوں کا ایک وقت میں ایک چیز پر اجتماع او
جماع میں سب کا ایک دوسرے کو دیکھنا روزہ کو ان کے لئے آسان بنا دیتا ہے اور اس سے ان کی
ہت ہمت افزائی ہوتی ہے۔''

''اسی طرح ان کی یہ اجتماعیت خواص وعوام دونوں کیلئے ملکوتی برکتوں کے نزول کا باعث ہے اس
ں اس کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے کہ ان کے کاملین دوا صلین پر جو انوار نازل ہوں وہ ان سے نیچے
الوں کو بھی فیضیاب کرتے جائیں اور ان کی دعائیں ان کے پیچھے والوں تک پہنچتی رہیں۔''

فضائل اور اس کی قوت وتاثیر:

زندگی نفس کی خواہشات اور عقل کے تقاضوں کی مستقل کشمکش کا نام ہے، لیکن اس کشمکش میں
یشہ خواہشات کی ہی فتح نہیں ہوتی جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، ایسا خیال درحقیقت فطرت
سانی سے بدگمانی اور حقیقت سے روگردانی ہے۔

جو طاقت زندگی کے پہیہ کو تیزی کے ساتھ حرکت دیتی ہے اور جس کے دم سے دنیا کا بازار
رم اور اس کی رونق قائم ہے، وہ نفع پر یقین ہے، یہی وہ یقین ہے جو کسان کو سخت سردی کے موسم
ں اپنے بستر سے اٹھا دیتا ہے اور اندھیرے منہ کھیت میں پہنچا دیتا ہے اور لو کے تھپیڑوں اور
ورج کی تپش میں کھیت جوتنے اور اپنے پسینہ بہانے کی قوت بخشتا ہے، یہی یقین ایک تاجر کو گھر
ر اور راحت وآرام چھوڑ کر اپنے کاروبار میں مشغول ہونے پر آمادہ کرتا ہے، یہی یقین ایک فوجی
کے لئے موت کو آسان اور زندگی کو دشوار بنا دیتا ہے، جو چیز اس کو اپنی محبوب اولاد کو چھوڑ کر ے

تکلف میدان جنگ میں چلے جانے پر اکساتی ہے۔ وہ نفع کا یقین اور مستقبل میں کسی فائدہ کی توقع ہے اور یہی وہ محور ہے جس کے گرد زندگی کی چکی گھومتی ہے:۔

لیکن اس یقین کے سوا ایک اور ہے جو اپنی انقلاب آفرینی اور قوت تاثیر میں اس یقین سے کہیں بڑھ کر ہے جس کی مثالیں اُوپر پیش کی گئی ہیں یہ ان منافع کے حصول کا یقین ہے جس کی خبر انبیاء کرام اسی دنیا میں لے کر آئے اور وحی اور تمام آسمانی صحیفوں نے اس کی تصدیق اور تلقین کی، اس کو ہم خدا کی خوشنودی اور دنیا و آخرت میں اعمال کے بدلہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ روزہ صحت کے لئے بھی مفید ہے اور خالص طبی نقطۂ نظر سے بھی ہر شخص کے لئے مناسب اور بہتر ہے۔ کہ وہ سال میں کچھ دن ضرور روزہ رکھے اس لئے کہ زیادہ کھانے پینے اور ہر وقت انواع اقسام کھانوں کی فکر میں مبتلا رہنے کا نتیجہ یہ ہے کہ طرح طرح کے جسمانی اور اخلاقی عوارض پیدا ہو گئے ہیں اور تقریباً ہر شخص ان سے عاجز اور پریشان ہے اور یہ ماننے پر مجبور ہے کہ طب وصحت کے نقطۂ نظر سے بھی روزہ کے بہت فوائد ہیں۔

لیکن اگر یہ تحقیق کی جائے کہ ان لوگوں کی تعداد اس سال کیا تھی۔ جنہوں نے رمضان کا روزہ محض اپنی صحت ٹھیک کرنے کے لئے یا اقتصادی مصالح کی بنا پر رکھا؟ اور کتنے ایسے روزے تھے جو صرف معدہ کی اصلاح، صحت کے اصول یا کفایت شعاری کے جذبہ سے رکھے تو ہم کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ایسے لوگوں اور اس قسم کے روزوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، یہاں تک کہ جاڑے کے روزوں میں بھی جب اس میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی ان کی تعداد میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکا، حالانکہ طبی اور اقتصادی روزہ شرعی روزہ کی بہ نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے اور اس میں اتنی نازک پابندیوں کی بھی ضرورت نہیں۔

اس کے برعکس اگر ان روزہ داروں کی مردم شماری کی جائے جو روزہ محض ایک دینی فریضہ سمجھ کر اور اللہ تعالٰی کے وعدہ اور آخرت کے بدلہ کی بنیاد پر رکھتے ہیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ مادیت کے غلبہ اور دینی جذبہ کے ضعف و افسردگی کے باوجود ان کی تعداد لاکھوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو شدید ترین گرمی اور پیاس کی تکلیف کے باوجود محض دینی احساس کی بنا پر

خوشدلی سے روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو عبادت بھی کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ایمان کی نظر میں ان دینی منافع اور فوائد کی قیمت (جن کا علم ہم کو انبیاء کرام کے ذریعہ حاصل ہوا۔ ان معاشی طبی فوائد سے کہیں زیادہ ہے جن کا علم اطباء ڈاکٹروں اور اقتصادیات کے ماہروں سے ہم کو حاصل ہوتا ہے۔ روزہ کے متعلق ایسی ایسی بشارتیں اور وعدے ان کے علم میں ہوتے ہیں جن کے سامنے روزہ کی معمولی تکلیف اور وقتی بھوک پیاس بالکل ہیچ اور نا قابل ذکر ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "ابن آدم کا ہر عمل کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے اور نیکی دس گنا سے لے کر سات سو تک بڑھا دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سوائے روزہ کے اس لئے کہ بیشک وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، میری خاطر اپنا کھانا اور اپنی خواہش نفس سب چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور ایک اپنے رب سے ملاقات کے وقت اور بیشک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی اور پاکیزہ ہے۔

سہل بن سعدؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ "جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام "ریان" ہے اس میں صرف روزہ دار بلائے جائیں گے، جو روزہ داروں میں سے ہوگا وہی اس میں داخل ہوگا اور جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔"

روزہ کی روح اور حقیقت کی حفاظت اور ایجابیت وسلبیت کا امتزاج:

رمضان کی اجتماعی نوعیت اور معاشرہ میں اس کے رواج و عمومیت کی وجہ سے اس کا اندیشہ تھا کہ عادت اور تقلید اور رسم و رواج کا عنصر اس پر رفتہ رفتہ غالب آجائے گا اور بہت سے لوگ محض اپنی سوسائٹی اور ماحول کا ساتھ دینے اور طنز و ملامت سے بچنے کے لئے اور اس ڈر سے کہ ان پر انگلیاں نہ اٹھائی جائیں روزہ رکھنے پر مجبور ہوں گے، ایمان اور نیت روزہ کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کی قیمت کے یقین اور استحضار سے ان کے دل خالی ہوں گے، بہت سے لوگ مادی اغراض و مقاصد یا طبی اور ظاہری فوائد کے حصول کے لئے روزہ رکھنے لگیں گے اور اس طرح اس کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

نبوت کی دوررس نگاہ نے اس کمزوری کا علاج اور اس فتنہ کا سد باب سب سے پہلے کیا اور یہ شرط لگادی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ روزہ مقبول ہے جو ایمان واحتساب کے جذبہ کے ساتھ رکھا جائے، حدیث نبوی ہے:۔

من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفرلہ ماتقدم من ذنبہ۔

جو شخص انسانی کمزوریوں اور خامیوں اور انسانوں کی مختلف اقسام سے واقف نہیں وہ کہہ سکتا ہے کہ اس قید اور شرط کی کیا ضرورت تھی۔ رمضان کے روزے صرف مسلمان ہی رکھتے ہیں اور خدا کی خوشنودی اور اجر وثواب ہی کے لئے رکھتے ہیں۔ اس لئے ایمان واحتساب کی شرط لگانا ایک بالکل زائد چیز اور تحصیل حاصل ہے، لیکن جو شخص انسانی احساسات ونفسیات اور اخلاقی و اجتماعی محرکات سے گہری واقفیت رکھتا ہے۔ اور اس کی زندگی کا مطالعہ زیادہ وسیع ہے وہ اس دوررس انتظام اور اس دقیق وعمیق علم کے سامنے سر تسلیم عجز کے ساتھ خم کردے گا جو خواہش نفس پر نہیں وحی الٰہی پر مبنی ہے:۔

وماینطق عن الھوی ان ھوالاوحی یوحیٰ۔

ایمان واحتساب کی تشریح ایک دوسری حدیث میں یہ آئی ہے کہ "انسان تمام اعمال ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت وخوشنودی کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے انجام دے۔"

عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "چالیس خصلتیں ہیں جن میں سب سے اعلیٰ بکری کا عطیہ ہے ان میں سے کسی ایک خصلت پر بھی ثواب کی امید اور اس پر جو اجر وثواب مقصود ہے اس کے یقین کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آدمی کو جنت میں داخل کردے گا۔

شریعت اسلامی نے روزہ کی ہیئت اور ظاہری شکل پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کی حقیقت اور اس کی روح کی طرف بھی پوری توجہ دی ہے، اس نے صرف کھانے پینے اور جنسی تعلقات ہی کو حرام نہیں کیا بلکہ ہر اس چیز کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے جو روزہ کے مقاصد کے منافی اور اس کی حکمتوں اور روحانی واخلاقی فوائد کے لئے مضر ہے۔ اس نے روزہ کو ادب تقویٰ، دل اور زبان کی عفت و

طہارت کے حصار میں گھیر دیا ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔ کہ کوئی روزہ سے ہو تو نہ بدکلامی اور فضول گوئی کرے نہ شور شر کرے۔ اگر کوئی اس کو گالی دے اور لڑنے جھگڑے پر آمادہ ہو تو یہ کہہ کے کہ میں روزہ سے ہوں۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔ وہ روزہ جو تقویٰ اور عفاف کی روح سے خالی اور محروم ہو وہ ایک ایسی صورت ہے جس کی حقیقت نہیں ایسا جسم ہے جس کی روح نہیں، حدیث میں آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ کتنے روزہ دار ہیں جن کو ان کے روزہ سے سوائے پیاس سے کچھ ہاتھ نہیں لگتا اور کتنے ایسے عبادت گزار ہیں جن کو۔۔۔۔ اپنے قیام میں شب بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔"

حضرت ابو عبیدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "روزہ ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالا جائے۔"

اسلامی روزہ صرف قلبی امور و احکام کا نام نہیں جس میں صرف کھانے پینے، غیبت، چغلخوری لڑائی جھگڑے اور گالی گلوچ کی ممانعت ہو، وہ بہت سے ایجابی امور و احکام کی بھی مجموعہ ہے، یہ عبادت و تلاوت ذکر و تسبیح، ہمدردی و خیر خواہی اور غربا پروری کا زمانہ ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، اس میں جو کسی ایک خصلت اور ایک عمل سے خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہے گا وہ دوسرے دنوں کے ادائیگی فرض کے برابر سمجھا جائے گا اور جو اس میں فرض ادا کرے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو غیر دنوں میں ستر فرض ادا کرے یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور غمخواری کا مہینہ ہے۔"

زید بن خالد الجہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "جو روزہ دار کو افطار کرائے اس کو روزہ دار کے برابر اجر ملے گا اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔"

اللہ تعالیٰ نے اس امت میں تراویح کی نماز حضور ﷺ سے ثابت ہے لیکن آپ نے تین دن پڑھ کر اس کو اس لئے چھوڑ دیا تھا کہ کہیں یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور مشقت کا باعث ہو، ابن شہابؒ روایت کرتے ہیں کہ مجھے عروہ نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہؓ نے خبر

دی کہ رسول اللہ ﷺ ایک بار دیر سے رات میں اپنے گھر سے نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی اور آپؐ کے ساتھ کچھ اور لوگوں نے بھی نماز پڑھی، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کے متعلق گفتگو شروع کی اور بہت سے لوگ جمع ہو گئے (دوسرے روز) جب آپؐ نے نماز پڑھی تو سب نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح ہوئی اور اس کا چرچا ہوا تیسری رات نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور سب نے آپؐ کے ساتھ نماز ادا کی، جب چوتھی رات آئی نمازیوں کی کثرت سے مسجد میں جگہ نہ رہی یہاں تک کہ فجر کی نماز کے لئے آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگوں کی موجودگی مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے پھر تم اس سے عاجز ہو جاؤ، پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی اور یہی صورت رہی۔'' آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ اس پر عمل پیرا ہے اور اس امت نے مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں اس کی پوری پوری حفاظت کی، یہاں تک کہ تراویح کی یہ نماز تمام اہل سنت اور صالحین امت کی علامت بن گئی، اس کے علاوہ اس سے حفظ قرآن میں بڑی مدد ملی اور اس کو بہت رواج اور عمومیت حاصل ہوگئی۔ نہ جانے کتنے سینوں میں وہ محفوظ ہو گیا، مزید براں اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عامۃ الناس کے ایک بہت بڑے طبقہ کو محض تراویح کے ذریعے قیام لیل اور عبادت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

ان سب چیزوں نے رمضان کو عبادت کا جشن عام، تلاوت کا موسم اور ابرار و متقین اور عباد صالحین کے حق میں فصل بہار بنا دیا ہے، اس میں اس امت کا دینی جذبہ دین کا احترام اور عبادت کا شوق پوری طرح جلوہ گر ہو کر سامنے آجاتا ہے اور اسی کی توبہ و انابت قلوب کی نرمی، خدا کی طرف رجوع، احساس ندامت اور کار خیر میں جذبہ، مسابقت، اس نقطۂ عروج پر تا ہے جس کے عشر عشیر تک دنیا کی کوئی قوم اور انسان کا کوئی گروہ نہیں پہنچ سکتا۔ **ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله زوالفضل العظيم -**

روزے کی قسمیں اور ان کا حکم

(محمد یوسف اصلاحی)

روزے کی چھ قسمیں ہیں۔جن کی تفصیل اوراحکام جاننا نہایت ضروری ہے۔

(۱)فرض۔ (۲)واجب۔ (۳)سنت۔
(۴)نفل۔ (۵)مکروہ۔ (۶)حرام۔

(۱)فرض روزے۔سال بھر میں صرف رمضان المبارک کے تیس روزے مسلمانوں پر فرض ہیں،رمضان کے روزوں کا فرض ہونا قرآن وحدیث سے صراحتاً ثابت ہے اور امت اپنی پوری تاریخ میں تواتر کے ساتھ اس پر عمل کرتی رہی ہے، جو شخص بغیر کسی عذر کے ترک کرے وہ فاسق اور سخت گنہگار ہے رمضان کے روزے اگر کسی عذر سے یا محض غفلت سے رہ جائیں تو ان کی قضا رکھنی بھی فرض ہے۔یہ غیر معین فرض ہیں یعنی جب موقع ہو رکھ لیں لیکن بہتر یہی ہے کہ جلد از جلد رکھ لیں۔

(۲)واجب روزے

نذر کے روزے،کفارے کے روزے،واجب ہیں،اگر کسی متعین دن کے روزے کی نذر مانی ہے تو اسی دن رکھنا ضروری ہے اور اگر دن متعین نہیں کیا ہے تو پھر جب چاہیں رکھ سکتے ہیں، لیکن بلاوجہ تاخیر نہ کرنا چاہیئے۔

(۳)مسنون روزے

جو روزے خود نبی ﷺ نے رکھے یا جن کے رکھنے کی آپؐ نے ترغیب دی ہے یہ روزے سنت ہیں اور ان کے رکھنے کا بڑا اجر وثواب ہے۔لیکن ان میں سے کوئی روزہ سنت مؤکدہ نہیں، یعنی جن کے نہ رکھنے سے آدمی گنہگار ہو،مسنون روزے یہ ہیں۔

☆ عاشورے کے روزے،یعنی محرم کی نویں اور دسویں تاریخ کے دو روزے۔

☆ یوم عرفہ کا روزہ یعنی ذوالحجہ کی نویں تاریخ کا روزہ۔

☆ ایام بیض کے روزے،یعنی،ہر مہینے کی ۱۳،۱۴،۱۵، تاریخ کے روزے۔

(۴)نفلی روزے

فرض ،واجب اور مسنون روزوں کے علاوہ تمام روزے مستحب ہیں ،البتہ بعض مستحب روزے ایسے بھی ہیں جن کے اہتمام کا اجروثواب زیادہ ہے ،مثلاً۔

(۱) ماہ شوال کے چھ روزے ،ان کو عرف عام میں شش عید کے روزے کہتے ہیں۔

(۲) پیر اور جمعرات کے دن کا روزہ۔

(۳) ماہ شعبان کی پندرھویں تاریخ کا روزہ۔

(۴) ذی الحجہ کے ابتدائی عشرے کے آٹھ روزے

(۵) مکروہ روزے

☆ صرف سنیچر یا اتوار کے دن کا روزہ رکھنا۔

☆ صرف یوم عاشور کا روزہ رکھنا۔

☆ کسی خاتون کا شوہر کی اجازت کے بغیر روزہ رکھنا۔

☆ بیچ میں ناغہ کیے بغیر مسلسل روزے ،جس کو صوم وصال کہتے ہیں۔

(۶) حرام روزے

سال بھر میں چھ روزے حرام ہیں۔

(۱) عید الفطر کے دن کا روزہ۔

(۲) عید الاضحیٰ کے دن کا روزہ۔

(۳) ایام تشریق۔

(۴) ۱۱۔ذوالحجہ۔

(۵) ۱۲۔ذوالحجہ۔

(۶) ۱۳۔ذوالحجہ۔

روزے کی شرطیں

روزے کی شرطیں دو قسم کی ہیں۔

☆ شرائط صحت۔

☆ شرائط وجوب۔

روزہ صحیح ہونے کے لیے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے ان کو شرائطِ صحت کہتے ہیں اور روزہ واجب ہونے کے لیے جن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے اُن کو شرائطِ وجوب کہتے ہیں۔

روزے کے شرائطِ وجوب

روزہ واجب ہونے کی چار شرطیں ہیں۔

(۱) اسلام۔ کافر پر روزہ واجب نہیں۔

(۲) بلوغ۔ نابالغ بچے پر روزہ واجب نہیں۔

(۳) صوم رمضان کی فرضیت سے واقف ہونا۔

(۴) معذور نہ ہو۔ یعنی کوئی ایسا عذر نہ ہو جس میں شریعت نے روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، مثلاً سفر، بڑھاپا، مرض، جہاد وغیرہ۔

روزے کے شرائطِ صحت

روزہ صحیح ہونے کی تین شرطیں ہیں۔

(۱) اسلام۔ کافر کا روزہ صحیح نہیں۔

(۲) خواتین کا حیض و نفاس سے پاک ہونا۔

(۳) نیت کرنا۔ یعنی دل میں روزہ رکھنے کا ارادہ کرنا، روزہ رکھنے کا ارادہ کیے بغیر اگر کوئی شخص دن بھر ان چیزوں سے رکا رہا جن سے روزے میں رکا جاتا ہے تو اس کا روزہ صحیح نہ ہوگا۔

روزے کے فرائض

روزے میں صبح صادق نمودار ہونے سے غروب آفتاب تک تین باتوں سے رکا رہنا فرض ہے۔

(۱) صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ کھانا۔

(۲) صبح صادق سے غروب آفتاب تک کچھ نہ پینا۔

(۳) صبح صادق سے غروب آفتاب تک جنسی لذت کے حصول سے پرہیز کرنا۔ اس میں جنسی لذت کی وہ تمام صورتیں شامل ہیں جن میں عادتاً منی کا اخراج ہوتا ہے، خواہ وہ صنف نازک کے علاوہ کسی اور انسان یا بہائم سے حصول لذت ہو یا جلق وغیرہ ہو، سب سے بچنا فرض ہے، البتہ اپنی خاتون کو دیکھنے، یا چمٹانے یا پیار کرنے سے بچنا فرض نہیں ہے اس لیے کہ اس سے عادتاً منی کا اخراج نہیں ہوتا۔

روزے کے سنن و مستحبات

(۱) سحری کا اہتمام کرنا، سنت ہے، چاہے وہ چند کھجوریں یا چند گھونٹ پانی ہی ہو۔

(۲) سحری اخیر وقت میں کھانا مستحب ہے، جب کہ صبح صادق ہونے میں کچھ ہی دیر باقی ہو۔

(۳) روزے کی نیت رات ہی سے کرلینا مستحب ہے۔

(۴) افطار جلد کرنا، یعنی سورج ڈوب جانے کے بعد خواہ مخواہ دیر نہ کرنا مستحب ہے۔

(۵) چھوہارے، کھجور یا پانی سے افطار کرنا مستحب ہے۔

(۶) غیبت، چغلی، غلط بیانی، شور و ہنگامہ، غصہ اور زیادتی سے بچنے کا اہتمام کرنا مسنون ہے، یہ کام یوں بھی غلط ہیں لیکن روزے میں ان سے بچنے کا اور زیادہ اہتمام کرنا چاہئے۔

روزے کے مفسدات

روزے میں تین چیزوں سے بچنا فرض ہے۔

(۱) کچھ کھانے سے۔

(۲) کچھ پینے سے۔

(۳) جنسی لذت حاصل کرنے سے۔

لہٰذا ہر اس فعل سے روزہ فاسد ہو جائے گا جو ان تینوں فرضوں کے خلاف ہو، البتہ روزے کو فاسد کرنے والی چیزیں اپنی نوعیت کے لحاظ سے دو قسم کی ہیں ایک وہ جن سے صرف قضا واجب ہوتی ہے اور ایک وہ جن سے قضا اور کفارہ دونوں واجب ہوتے ہیں۔

وجوب کفارہ سے متعلق کچھ اصولی باتیں

(۱) اگر کوئی چیز قصداً پیٹ میں پہنچائی جائے اور اس کو نفع بخش ہونے کا خیال بھی، چاہے وہ غذا ہو یا دوا یا کوئی ایسا فعل کیا جائے جس کی لذت جنسی فعل جیسی ہو تو ان صورتوں میں روزے کی قضا بھی واجب ہوگی اور کفارہ بھی لازم آئے گا۔

(۲) اگر کوئی چیز خود بخود پیٹ میں پہنچ جائے، یا اس کے نفع بخش ہونے کا خیال نہ ہو یا کوئی ایسا فعل کیا جائے جس کی لذت جنسی فعل جیسی نہ ہو تو صرف روزے کی قضا واجب ہوگی، کفارہ لازم نہ آئے گا۔

(۳) کفارہ صرف رمضان کا روزہ فاسد ہونے سے واجب ہوتا ہے۔ رمضان کے سوا کوئی

اور روزہ فاسد ہونے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا چاہے غلطی سے فاسد ہو جائے یا قصداً فاسد کر دیا جائے۔

(۴) رمضان کا قضا روزہ فاسد ہونے سے کفارہ واجب نہیں ہوتا صرف ادا روزہ فاسد ہونے ہی سے کفارہ واجب ہوتا ہے۔

(۵) جن لوگوں میں روزے کے شرائط وجوب نہ پائے جائیں اُن کا روزہ فاسد ہونے سے بھی کفارہ واجب نہیں ہوتا، مثلاً مسافر کا روزہ، نابالغ بچے کا روزہ، حیض و نفاس والی خواتین کا روزہ، اگر چہ مسافر اور حیض و نفاس والی خواتین نے روزے کی نیت، سفر پر روانہ ہونے سے پہلے اور حیض و نفاس آنے سے پہلے ہی کی ہو۔

(۶) ہر وہ فعل جس میں اپنے قصد اور ارادہ کو دخل نہ ہو، مثلاً بھولے سے کچھ کھالیا، یا جنسی لذت حاصل کر لی، یا کلی کرتے میں غلطی سے پانی حلق سے نیچے اتر گیا۔ یا کسی نے زبردستی کسی سے جنسی لذت حاصل کر لی تو ان تمام صورتوں میں کفارہ واجب نہیں ہوتا۔

(۷) جنسی فعل میں فاعل و مفعول دونوں کا عاقل ہونا شرط نہیں۔ دونوں میں سے جو عاقل ہو اور قصداً یہ فعل کرے اس پر کفارہ لازم آئے گا۔ اگر عورت عاقل ہے تو اس پر کفارہ لازم ہے مرد پر نہیں اور اگر مرد عاقل ہے تو مرد پر کفارہ واجب ہے دیوانی عورت پر نہیں۔

(۸) کوئی خاتون چاہے نابالغ بچے سے جنسی فعل کرائے یا کسی دیوانے اور مجنوں سے ہر حال میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۹) رمضان میں روزے کی نیت کیے بغیر کوئی کھائے پیئے تو اس پر کفارہ واجب نہیں صرف قضا واجب ہے، کفارہ اسی صورت میں واجب ہوگا جب روزے کی نیت کر لینے کے بعد روزہ توڑے۔

(۱۰) کسی شبہ کی بنیاد پر اگر کوئی اپنا روزہ فاسد کر دے تو کفارہ واجب نہ ہوگا۔

وہ صورتیں جن میں صرف روزے کی قضا واجب ہوتی ہے

(۱) کسی کی آنکھ دیر میں کھلی اور یہ سمجھ کر کہ ابھی سحری کا وقت باقی ہے کچھ کھا پی لیا پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی، تو اس روزے کی قضا رکھنا واجب ہے۔

(۲) کسی نے سورج ڈوبنے سے پہلے ہی یہ سمجھ کر کہ سورج ڈوب گیا ہے افطار کر لیا۔ تو قضا

واجب ہے۔

(۳) بے ارادہ کوئی چیز پیٹ میں پہنچ گئی مثلاً کلی کے لیے منہ میں پانی لیا اور وہ حلق سے نیچے اتر گیا۔ ناک یا کان میں دوا ڈالی اور وہ پیٹ میں پہنچ گئی۔ پیٹ یا دماغ کے زخم میں دوا ڈالی اور اس زخم کی راہ سے پیٹ یا دماغ تک پہنچ گئی تو ان صورتوں میں صرف قضا واجب ہے۔

(۴) کسی نے روزہ دار کو زبردستی کچھ کھلا پلا دیا تو صرف قضا واجب ہے۔

(۵) کسی نے زبردستی کسی خاتون کے ساتھ جنسی فعل کیا یا غافل سو رہی تھی یا بے ہوش تھی اور کسی نے اس سے جنسی لذت حاصل کی تو خاتون پر صرف قضا واجب ہوگی۔

(۶) کسی نادان نے مردہ عورت یا کمسن بچی کے ساتھ جنسی فعل کیا یا بہائم کے ساتھ یہ فعل کیا، یا کسی کو لپٹایا یا بوسہ لیا یا جلق کا مرتکب ہوا اور ان صورتوں میں انزال ہو گیا تو صرف قضا واجب ہے۔

(۷) کسی نے روزے کی نیت ہی نہیں کی لیکن کھانے پینے وغیرہ سے رکا رہا یا نیت کی مگر نصف النہار کے بعد کی تو ان صورتوں میں روزہ نہ ہوگا اور قضا لازم ہوگی۔

(۸) روزے میں کسی کے منہ میں آنسو، یا پسینے کے قطرے چلے گئے اور پورے منہ میں اس کی نمکینی محسوس ہوئی اور وہ ان قطروں کو نگل گیا تو روزہ جاتا رہا۔ قضا لازم ہے۔

(۹) منہ میں کوئی شخص پان دبائے سو گیا اور صبح صادق کے بعد آنکھ کھلی تو صرف قضا واجب ہے، کفارہ واجب نہیں۔

(۱۰) روزے میں کسی نے قصداً منہ بھر قے کی تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے۔

(۱۱) کسی نے روزے میں کوئی کنکری یا لوہے کا ٹکڑا یا اور کوئی ایسی چیز کھالی جس کو نہ بطور غذا کھاتے ہیں نہ بطور دوا تو اس صورت میں روزہ جاتا رہا اور صرف قضا لازم ہوگی۔

(۱۲) روزے میں کسی خاتون نے اپنے مقام خاص میں کوئی دوا ڈالی یا تیل ڈالا تو اس صورت میں صرف قضا واجب ہے۔

(۱۳) کسی نے روزے میں بھولے سے کھا پی لیا، اور پھر یہ سمجھ کر کہ روزہ ٹوٹ ہی گیا ہے قصداً کھا پی لیا تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

(۱۴) کسی نے روزے میں کان کے اندر تیل ڈالا، یا جلاب میں عمل لیا تو روزہ جاتا رہا اور

اس کی صرف قضا واجب ہے کفارہ نہیں۔

(۱۵) کسی خاتون نے علاج وغیرہ کی ضرورت سے اپنی اگلی شرمگاہ میں اپنی انگلی داخل کی یا کسی دائی وغیرہ سے داخل کرائی اور پھر ساری انگلی یا انگلی کا کچھ حصہ نکالنے کے بعد دوبارہ داخل کی تو روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے اور اگر دوبارہ داخل نہیں کی لیکن انگلی کسی چیز میں بھیگی ہوئی تھی تو پہلی ہی بار داخل کرنے سے روزہ جاتا رہا اور قضا واجب ہے، اسی طرح اگر کوئی خاتون اپنی شرمگاہ میں روئی وغیرہ رکھے اور سب اندر غائب ہو جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا واجب ہوگی۔

(۱۶) جماع اور لواطت کے علاوہ جنسی لذت کا کوئی ایسا فعل کیا جس سے عادۃً انزال ہو جاتا ہے، اگر انزال ہو گیا تو روزہ جاتا رہا اور صرف قضا لازم آئے گی، مثلاً کوئی جلق کا مرتکب ہوا۔ یا کسی نے خاتون کی ناف، ران یا کولھوں میں عضو خاص گھسا کر منی خارج کی یا کسی جانور کے ساتھ یہ فعل کیا، یا کسی خاتون نے کسی دوسری خاتون کے ساتھ حصول لذت کی کوشش کی اور انزال ہو گیا تو روزہ جاتا رہے گا اور قضا لازم ہوگی، کفارہ واجب نہ ہوگا۔

(۱۷) مسواک کرتے ہوئے یا یونہی مسوڑھے وغیرہ سے خون نکلا اور روزہ میں تھوک کے ساتھ نگل لیا تو روزہ ٹوٹ گیا قضا واجب ہے، ہاں اگر خون تھوک کی مقدار سے کم ہے اور حلق میں محسوس نہیں ہو رہا ہے تو روزہ نہیں جائے گا۔

وہ صورتیں جن میں قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں

(۱) کسی نے روزے میں جذبات سے مغلوب ہو کر جنسی فعل کا ارتکاب کیا چاہے وہ مرد ہو یا عورت، یا مرد نے لواطت کی تو قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۲) کسی خاتون نے مرد سے ہمبستری کی اور عضو کا سر اندر داخل ہو گیا تو چاہے منی کا خروج ہو یا نہ ہو ہر حال میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۳) کسی نادان نے عورت سے ہمبستری کی اور اس کے پچھلے حصے میں عضو کا سر داخل کر دیا تو دونوں کا روزہ فاسد ہو گیا، قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۴) کسی نے ایسی کوئی چیز کھا پی لی جو کھانے پینے کے استعمال میں آتی ہے یا ایسی چیز کھائی جو کھانے پینے میں استعمال نہیں کی جاتی لیکن دوا کے طور پر کھا پی لی، کہ اس سے فائدہ ہوگا۔ تو روزہ جاتا رہا اور اس پر قضا اور کفارہ دونوں واجب ہیں۔

(۵) خاتون غافل سو رہی تھی یا بے ہوش پڑی ہوئی تھی اور مرد نے اس سے جنسی لذت حاصل کی تو مرد پر قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

(۶) کوئی ایسا فعل کیا جس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، لیکن اس شخص نے اپنے طور پر یہ سمجھ لیا کہ میرا روزہ فاسد ہو گیا اور پھر قصداً کچھ کھا پی لیا، تو روزہ فاسد ہو گیا قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی، مثلاً کسی نے سرمہ لگایا، سر میں تیل ڈال دیا پچھنے لگوائے یا کسی خاتون کو چھوا یا بوسہ لیا اور پھر یہ سمجھ کر کہ میرا روزہ جاتا رہا قصداً کچھ کھا پی لیا، تو روزہ فاسد ہو گیا اس صورت میں قضا بھی واجب ہے اور کفارہ بھی۔

وہ امور جن سے روزہ مکروہ ہو جاتا ہے۔

یعنی ان چیزوں کا بیان جن کے کرنے سے روزہ فاسد تو نہیں ہوتا لیکن مکروہ ہو جاتا ہے، ان سب چیزوں کی کراہت تنزیہی ہے۔ تحریمی نہیں۔

(۱) کسی چیز کا ذائقہ چکھنا، البتہ کوئی خاتون مجبوراً اس لیے کھانے کی چیزوں کا ذائقہ پکاتے وقت، یا بازار سے خریدتے وقت چکھ لے کہ اس کا شوہر بدمزاج اور سخت گیر ہے، یا اس طرح کوئی ملازمہ اپنے آقا کے خوف سے چکھ لے تو مکروہ نہیں۔

(۲) منہ میں کوئی چیز چبانا یا یونہی ڈالے رکھنا۔ مثلاً کوئی خاتون اپنے ننھے بچے کو کھلانے کے لیے اپنے منہ میں کوئی چیز دبائے یا نرم کرنے کے لیے یا ٹھنڈا کرنے کے لیے منہ ڈالے تو یہ مکروہ ہے، البتہ مجبوری کی صورت میں جائز ہے۔ مثلاً کسی کا بچہ بھوکا ہے، اور وہ صرف وہی چیز کھاتا ہے جو منہ میں چبا کر اس کو دی جائے، اور کوئی بے روزہ آدمی بھی موجود نہ ہو تو اس صورت میں چبا کر کھلانا مکروہ نہیں۔

(۳) کسی عورت کا ہونٹ منہ میں لے لینا، یا ننگے ہو کر بدن ملانا مکروہ ہے۔ چاہے انزال ہونے اور صحبت کر لینے کا خوف ہو یا نہ ہو۔

(۴) روزے میں کوئی ایسا کام کرنا مکروہ ہے جس سے اتنی زیادہ کمزوری پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو کہ روزہ توڑنا پڑے گا۔

(۵) کلی کرنے یا ناک میں پانی ڈالنے میں ضرورت سے زیادہ اہتمام اور غلو کرنا۔

(۶) بلا وجہ منہ میں تھوک جمع کر کے نگلنا۔

(۷) بے قراری، گھبراہٹ، اور اضمحلال کا اظہار کرنا۔

(۸) غسل کی حاجت ہو اور موقع بھی ہو پھر بھی کوئی شخص بلاوجہ قصداً صبح صادق کے بعد تک غسل نہ کرے تو یہ مکروہ ہے۔

(۹) منجن، پیسٹ، یا کوئلہ وغیرہ چبا کر اس سے دانت مانجھنا۔

(۱۰) روزے میں غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، گالی گلوچ اور شور وہنگامہ کرنا، مارنا پیٹنا اور کسی پر زیادتی کرنا۔

(۱۱) قصداً حلق میں دھواں، یا گرد وغبار پہنچانا مکروہ ہے، اور اگر لوبان وغیرہ سلگا کر اس کو سونگھا یا حقہ، سگرٹ اور بیڑی وغیرہ پی لیا تو روزہ جاتا رہا۔

وہ امور جن سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱) روزے کا خیال نہ رہا اور بھولے سے کچھ کھا پی لیا یا شریک حیات سے جنسی لذت حاصل کی، چاہے ایک بار ایسا کیا یا کئی بار اتفاق ہوا حد یہ کہ اگر بھولے سے پیٹ بھر کر بھی کھا پی لیا تب بھی روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ مکروہ ہوا۔

(۲) دن میں روزہ دار سو گیا اور سوتے میں کوئی ایسا خواب جس سے غسل کی حاجت ہو گئی تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۳) دن میں سرمہ لگانا، سر میں تیل ڈالنا یا بدن پر مالش کرنا، خوشبو سونگھنا سب درست ہے، سرمہ لگانے کے بعد اگر بلغم میں سرمہ کی سیاہی محسوس ہو تب بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۴) اپنی شریک حیات کے ساتھ لیٹنا، بغل گیر ہونا، بوس وکنار کرنا، سب درست ہے، ہاں اگر انزال کا اندیشہ یا جذبات کے ہیجان میں صحبت کر لینے کا خطرہ ہو تو پھر یہ سب کام مکروہ ہیں۔

(۵) روزے میں تھوکنا اور بلغم نگلنا مکروہ نہیں۔

(۶) روزے میں حلق کے اندر مکھی چلی گئی یا بے اختیار گرد وغبار یا دھواں چلا گیا تو اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔ ہاں اگر ان میں کوئی چیز قصداً پیٹ میں پہنچائی تو روزہ جاتا رہے گا۔

(۷) کسی خاتون کے جنسی اعضاء کو دیکھنے سے یا کوئی جنسی خیال دل میں لانے سے اگر انزال ہو گیا تو روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۸) کسی جانور کے جنسی اعضاء کو چھونے سے اگر انزال بھی ہو جائے تب بھی روزہ فاسد

ہیں ہوتا۔

(۹) مرد کے لیے اپنے عضو خاص کے سوراخ میں تیل یا پانی یا دوا وغیرہ ڈالنا یا پچکاری سے پہنچانا، یا سلائی وغیرہ داخل کرنا جائز ہے، اس سے روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱۰) کوئی شخص خشک لکڑی یا خشک انگلی اپنے پچھلے حصہ میں داخل کرے، لیکن لکڑی اندر غائب نہ ہو تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

(۱۱) کسی نے یہ سمجھا کہ ابھی رات باقی ہے اور وہ اپنی شریک حیات سے صحبت میں مشغول ہوگیا، یا روزہ کا خیال نہ رہا، اور صحبت شروع کردی لیکن پھر جونہی معلوم ہوا کہ صبح صادق ہوچکی ہے یا روزہ یاد آیا تو فوراً علیحدہ ہوگیا اس صورت میں اگر علیحدہ ہونے کے بعد انزال ہو تب بھی روزہ فاسد نہ ہوگا۔ اس انزال کا حکم وہی ہوگا جو روزے میں احتلام کا ہے۔

(۱۲) کان میں پانی چلا جائے یا کوئی قصداً ڈال لے تو اس سے روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۳) دانتوں کے درمیان غذا یا بوٹی یا کوئی ریشہ یا چھالیہ کا کوئی ٹکڑا رہ گیا اور اس کو منہ سے نہیں نکالا بلکہ اندر ہی اندر نگل لیا اگر یہ چنے کی مقدار سے کم ہے تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔

(۱۴) بے اختیار قے ہوگئی منہ بھر کر ہوئی یا اس سے کم یا زیادہ بہر حال روزہ مکروہ نہ ہوگا۔ اگر اس صورت میں بے اختیار کچھ حصہ پھر پیٹ میں لوٹ جائے تب بھی روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۵) روزے میں کسی وقت بھی مسواک کرنا، چاہے خشک لکڑی سے کی جائے یا بالکل تازہ اور تر لکڑی سے، نیب کی تازہ مسواک کا کڑوا کڑوا ذائقہ منہ میں محسوس ہو تب بھی روزہ مکروہ نہیں ہوتا۔

(۱۶) گرمی کی شدت میں کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، منہ ہاتھ دھونا، نہانا، کپڑا تر کرکے بدن پر رکھنا مکروہ نہیں۔

(۱۷) اگر پان کھانے کے بعد اچھی طرح کلی اور غرارہ کرکے منہ صاف کرلیا۔ لیکن تھوک میں سرخی اب بھی محسوس ہورہی ہے تو کوئی حرج نہیں اس سے روزہ مکروہ نہ ہوگا۔

(۱۸) اگر قصداً قے کی لیکن تھوڑی قے کی منہ بھر نہیں ہے تو روزہ نہیں ٹوٹا اور نہ مکروہ ہوا۔

(۱۹) مسواک کرنے میں یا یونہی منہ سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ نگل لیا۔ اگر خون کی مقدار تھوک سے کم ہو اور حلق میں خون کا مزہ معلوم نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

بعثت رسول اکرمؐ اور تزکیہ نفس

(مولانا محمد مالک کاندھلوی)

روح کا مفہوم:۔

دنیا یہی جانتی ہے کہ حقیقت حیات اور زندگی کا دوسرا نام ہے اور حضرات اطباء فرماتے ہیں۔ وہ ایک جسم لطیف یا جوہر مجرد ہے یا ایک بخار لطیف ہے جو بدن کے رگ وریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہوتا ہے۔ (جیسے سلگتے ہوئے انگارہ میں حرارت اور آتشی مادہ) اور یہی جسم لطیف انسان کے بدن کو فعال ومتحرک رکھتا ہے۔ اسی پر اس کا احساس وشعور اور جملہ احوال زندگی دائر ہیں۔

حضرات محترم! ہمارا موضوع یہ نہیں ہے کہ وہ جوہر ہے یا عرض! مادی ہے یا مجرد! بسیط ہے یا مرکب۔ بس اتنا ہی عرض کرنے پر اکتفا کر لیتے ہیں کہ وہ ایک کھربائی اور برقی رو کی طرح ایک جوہر یا قوت ہے جو بدن کی مشین اور اس کے تمام کل پرزوں کو فعال ومتحرک رکھتی ہے اور جیسے ہی یہ برقی رو، اعضاء وجوارح اور رگ وریشہ سے علیحدہ ہو جاتی ہے تو یہ مشین بے حس وحرکت رہ جاتی ہے اور اب یہ انسان محض ایک ڈھانچہ اور لاش ہو جائے گا۔ جب تک روح کا تعلق بدن کے ساتھ وابستہ تھا کہا جاتا تھا مثلاً یہ زید ہے، لیکن جب روح بدن سے مفارقت کر گئی تو کہا جائے گا یہ زید کی لاش ہے۔ یہ اس کا جنازہ ہے۔ خواہ پورا بدن سر سے لے کر پاؤں تک محفوظ ہو، لیکن اب اس کو زید نہیں کہیں گے یا یوں کہہ لیجئے ہر ذی حیات (روح) کا ڈھانچہ بنانا خلق ہے اور اس کو چلانا امر ہے اسی کو ارشاد فرمایا گیا **اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ** اور یہی وہ امر رب ہے، جس کو آیت مبارکہ **وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّىْ** میں فرمایا گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ حقیقت اطباً اور فلاسفہ کے نقطۂ نظر سے ہے اور یہ روح جسم اور بدن کی روح ہے، لیکن خدا اور اس کے رسول، قرآن کریم اور سنت رسول اللہؐ میں روح جسمانی سے بحث نہیں کی جاتی (یہ موضوع تو اطباً اور ڈاکٹروں کا ہے) قرآن وحدیث میں روح سے روح باطنی مراد ہوتی ہے۔ جو ایمان ومعرفت کا نام ہے۔ اسی حقیقت کو اولیاً وعارفین لطیفۂ باطنیہ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اسی معرفت الٰہی اور تعلق مع اللہ کو قرآن کریم میں حیات کہا جاتا ہے۔ اور جو لوگ اس معرفت الٰہیہ اور تعلق مع اللہ کا جوہر رکھتے ہیں ان کو احیاً (زندہ) کہا جاتا ہے اور جو اس حیات روحانی سے محروم ہیں ان کو اموات (مردہ) کہا جاتا ہے اسی پر **هَلْ يَسْتَوِى الا**

عمٰی وَالبصیر اور وَما یَستَوِی الاَحْیاءُ والاموات جیسی تمام آیات مومنین اور کافروں کے حق میں وارد ہو کر مومنین کو زندہ اور کافروں کو مردہ کہتی ہیں۔

نفس کی تشریح

امام غزالیؒ لفظ نفس کی تشریح میں فرماتے ہیں اگرچہ علماً کے نزدیک اس کے متعدد معانی ہیں لیکن ارباب باطن اور عارفین نفس اس جوہر یا قوت کو کہتے ہیں جو غضب اور شہوت کو جامع ہو۔
بعض حضرات کا خیال ہے کہ نفس اور روح ایک ہی شے کا نام ہے۔ مگر محققین علماً اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ دونوں میں فرق ہے۔ استاذ ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں۔ اخلاق حمیدہ اور خیر کا معدن روح ہے اور اخلاق ذمیمہ اور رذائل کا معدن و سرچشمہ نفس ہے۔ نفس بھی روح کی طرح جسم لطیف ہے۔ وصف لطافت میں اگرچہ روح کے ساتھ مشترک ہے مگر ان دونوں کی نوعیت بالکل ایسی ہی ہے جیسے نور اور نار یا ملائکہ اور شیاطین لطافت بے شک دونوں جانب ہے۔ مگر ایک خیر ہے اور دوسری جانب شر۔ شیاطین نار سے پیدا کئے گئے ہیں۔ اور اس لحاظ سے ان میں بھی لطافت ہے۔ لیکن ملائکہ کی لطافت نور ہے۔ اس بنا پر شیاطین گمراہی اور شر پھیلانے والے ہیں اور ملائکہ ہدایت اور خیر عالم میں تقسیم کرنے والے ہیں۔
حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب التمہید میں ایک حدیث نقل کی ہے اس کا مضمون یہ ہے:

ان اللّٰہ تعالٰی خلق آدم و جعل فیه نفسًا و روحًا۔ فمن الروح عَفافهٗ و فهمه وحلمه و سخائِهٗ و وفائهٗ ومن النفس شهوته وطیشه و غضبه و سفهه ونحو هذا۔

"کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو پیدا کیا۔ اور ان میں ایک تو نفس رکھا۔ اور ایک روح۔ تو روح کی وجہ سے انسان کی عفت و پاکدامنی اس کا فہم اس کا علم اس کی سخاوت اور وفاء عہد جیسی خوبیاں ہیں جن کا مبدأ اور سرچشمہ روح ہے اور نفس کی وجہ سے اس کی شہوت اس کا اشتعال اس کا غصہ اور اسکی بے وقوفی اور ایسے ہی تمام ذمائم اور رذائل ہیں جو نفس سے پیدا ہوتے ہیں۔"
حاصل یہ کہ اخلاق حمیدہ اور پسندیدہ اوصاف روح سے پیدا ہوتے ہیں اور اخلاق رذیلہ نفس سے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جملہ اخلاق ذمیمہ مثلاً شہوت حرص، طمع، بخل، تکبر اور عناد و غضب کو نفس کی طرف منسوب کیا گیا ہے روح کی طرف نہیں۔ جیسے کہ ارشاد ہے

حضرت الانفس الشح ۔ یعنی نفسوں میں مال کی محبت اور حرص و لالچ رچا ہوا ہے۔ یوں نہیں فرمایا گیا **واُحضِرت الارواح الشح** اسی طرح فرمایا **و نهی النفس عن الهوىٰ** ۔ یہ نہیں فرمایا **و نهی الروح عن الهوىٰ** اور ارشاد ہے **الا من سفه نفسه** یہ نہیں **الا من سفه روحه، علی هذا القیاس** یہ فرمایا **ان النفس لامارة بالسوء** یہ نہیں ہے **ان الروح** ------ ایک موقعہ پر یہ ارشاد ہے **حسداً من عند انفسهم** یہ نہیں ہے **حسداً من عند ارواحهم** اسی طرح حدیث میں یہ فرمایا **اعدی عدوك نفسك التی بین جنبیك** کہ تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا وہ نفس ہے جو تیرے دو پہلوؤں کے درمیان یہ عنوان نہیں اختیار فرمایا **روحك الذی الخ** کہ تیری وہ روح ہے ------ الخ یعنی روح کو دشمن نہیں فرمایا۔

اور حق تعالیٰ شانہ، انسانی تخلیق کا ذکر کرتے ہوئے یہ فرمایا **و نفخت فیه من روحی** کہ جب میں اس آدم میں اپنے روح سے ایک روح پھونکوں تو ------ یہ نہیں فرمایا **و نفخت فیه من نفسی** ، الغرض یہ آیات اور احادیث نفس اور روح کا فرق بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر رہی ہیں۔ اسی حقیقت کو استاذ ابوالقاسم قشیریؒ نے بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا۔

عقل

عقل قوت ادراکیہ اور فہم کی صلاحیت کا نام ہے۔ یہی قوت انسان کی عملی زندگی پر حاکمیت کا مقام رکھتی ہے۔ یہاں اس بحث کی ضرورت نہیں کہ عقل کا محل دماغ یا قلب؟ امام بیہقیؒ کی بیان کردہ ایک روایت نقل کرنے پر کفایت کرتا ہوں جس سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ عقل کی انسان کی عملی زندگی پر کس طرح حاکمیت واقع ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے اللہ رب العزت نے جب عقل کو پیدا فرمایا تو اس کو خطاب کیا۔ "اے عقل کھڑی ہو جا، وہ کھڑی ہو گئی، فرمایا بیٹھ جا وہ بیٹھ گئی، فرمایا آگے بڑھ وہ آگے بڑھی، فرمایا پیچھے ہٹ جا وہ پیچھے ہٹ گئی اس کے بعد فرمایا اے عقل میں نے کوئی چیز تجھ سے زیادہ بہتر نہیں پیدا کی۔ اور نہ ہی کوئی چیز تجھ سے زیادہ افضل اور نہ کوئی چیز تجھ سے زیادہ خیر۔ اے عقل میں تیری ہی وجہ سے مواخذہ کروں گا۔ اور تیری ہی وجہ سے عطا و بخشش اور تیری ہی وجہ سے ثواب ہے

اور تیری ہی وجہ سے عتاب ہے اور میں تجھ ہی سے پہچانا جاؤں گا۔

بارگاہ الٰہی سے عقل کو ان چار چیزوں کے خطاب سے مقصود یہ تھا کہ انسان عملی زندگی میں پیدائشی طور پر یہ چار پہلو رکھتا ہے۔ کسی کام کی رغبت ہے تو کسی سے نفرت۔ کسی چیز کی طرف بڑھتا ہے اور کس طرف دوڑتا ہے تو کسی چیز سے پرہیز کرتا اور دور بھاگتا ہے۔ تو عقل جو عملی زندگی پر حکمران بنائی گئی تھی اس کو تکوینی طور پر یہ بتا دیا گیا تھا کہ تو اپنے پیکر جسمانی کو ان چار احوال کے ساتھ استعمال کرے گی۔ اور ان ہی احوال پر یہ ثمرات مرتب ہوں گے۔ ثواب و عتاب اور عطاء و بخشش یا شقاوت و محرومی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا حق تعالیٰ نے جس طرح سیاہ و سفید کا فرق معلوم کرنے کے لئے آنکھ پیدا فرمائی۔ آوازوں کو سننے اور ان میں اچھی اور بری آواز میں امتیاز کرنے کے لئے کان پیدا کئے۔ خوشبو اور بدبو معلوم کرنے کے لئے قوت شامہ عطا کی میٹھی اور کڑوی چیزوں کو پہنچاننے کے لئے قوت لامسہ کو پیدا فرمایا۔ اسی طرح اشیا کا خیر و شر اور بھلائی و برائی معلوم کرنے کے لئے عقل کو پیدا فرمایا ہے۔ تاکہ اس ترازو میں اشیاء کا حسن و قبح اور ان کا خیر و شر ہونا تولا جا سکے۔ لیکن جس طرح بیمار آدمی قوت ذائقہ میں مرض اور فساد پیدا ہو جانے کی وجہ سے میٹھی چیز کو تلخ اور بدمزہ محسوس کرنے لگتا ہے یا وہ شخص جس کی نگاہ میں نقصان وفتور ہو وہ سیاہ سفید کا فرق نہیں کر سکتا اور اگر وہ احول یعنی بھینگا ہے تو ہر چیز اس کو ٹیڑھی ہی نظر آئے گی تو ایسے ہی جو لوگ عقل کے مریض ہیں ان کو نافع اور خیر کی چیزیں اچھی نہیں لگیں گی، بلکہ ان سے تنفر اور وحشت اختیار کرے گا۔ حضرت نانوتویؒ کی اس بلند پایہ تحقیق کے ساتھ مناسب ہوگا کہ یہاں ہم ایک مختصر سا اقتباس امام غزالیؒ کے کلام کا حضرات سامعین کی خدمت میں پیش کر دیں۔ غزالیؒ فرماتے ہیں۔ انسان کے بدن کو مثلاً ایک شہر تصور کر لو اور عقل کو بمنزلہ بادشاہ اور حاکم سمجھو۔ اور حواس مدرکہ کو "خواہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی" بادشاہ کے لشکر اور اعوان و مددگار کے طور پر فرض کر لو اور اس کے جسم کے تمام اعضاء گویا اس کی رعیت ہے۔ جس کو یہ پالتا ہے اور اس پر حکم بھی چلاتا ہے۔ اور یہ نفس امارہ جو شہوت و غضب کا مجموعہ ہے اس کے مدمقابل دشمن کے درجہ میں شمار کر لو جو اس بادشاہ سے مصروف مخاصمت ہے اور اس کے ملک کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اب اگر یہ بادشاہ اپنے لشکر اور اعوان و مددگاروں کے ذریعہ اپنے دشمن کے عزائم کو ناکام بنانے کی جدوجہد میں لگ

جائے گا۔ تو دشمن کی تباہ کاریوں سے بچ سکے گا اور اپنے ملک کو ہلاکت وتباہی سے محفوظ رکھ سکے گا
اور اپنی اس مملکت اور سلطنت کے ذریعہ خیر وفلاح کی منزلیں بھی طے کرتا رہے گا۔ اور اگر دشمن
سے غافل رہا یا اس کے حملوں کی مدافعت نہ کی تو ظاہر ہے کہ خود بھی تباہ و برباد ہوگا اور اس کا ملک
بھی اور اس کی رعایا بھی۔

یا اس طرح سمجھ لیجئے کہ عقل اس شہسوار کی طرح ہے جو شکار کرنے والا ہے اس کی قوت شہویہ
یعنی شوق و رغبت اور اس میں بے قراری وتڑپ اس کا وہ گھوڑا ہے جس کو سدھایا گیا ہے اور وہ
مالک کا فرمانبردار ہے اور اس کا نفس شکاری کتا ہے۔ جس کو شکار کی تربیت دی گئی اور وہ مالک
کے اشاروں پر دوڑتا اور حملہ کرتا ہے تو ایسا شہسوار اپنے اس گھوڑے اور اپنے اس شکاری کتے کے
ذریعے کامیاب وکامران ہوگا۔

لیکن اگر خود شہسوار ہی ناسمجھ ہوا اور اس کا گھوڑا اہٹ کرنے والا ہو یا بدکنے والا ہو اور اس کا کتا
ہڑکایا اور کٹ کھانا ہو تو ظاہر ہے کہ بجائے کامیابی اور شکار حاصل کرنے کے نہ معلوم یہ کس کس قسم
کی مصیبتوں کا خود شکار بن جائے گا۔

فقہاء شکاری کتے کو کلب معلم کہتے ہیں۔ اور اس کا معیار یہ مقرر کیا گیا ہے کہ اس میں جب
یہ صلاحیت پیدا ہو جائے کہ مالک جب شکار پر چھوڑے تو اس پر لپک پڑے۔ اور اس دوران
جب واپس لوٹنے کے لئے آواز دے تو واپس ہو جائے۔ یا رک جائے۔ اور جس شکار پر چھوڑا
جائے اسی پر حملہ کرے اور اس میں سے خود کچھ نہ کھائے۔ اگر ان شرائط میں سے کوئی بھی بات رہ
جائے گی تو اس کو کلب معلم نہیں شمار کیا جائے گا اور نہ اس کا شکار حلال رہے گا۔ شکاری باز کا یہ
معیار رکھا گیا کہ جب اس کو اڑایا جائے اڑ جائے۔ اور جب اس کو آواز دی جائے واپس ہو
جائے۔ گویا فقہاء نے ان جانوروں کے تعلیم یافتہ ہونے کا یہ معیار مقرر کیا ہے کہ وہ اپنے طبعی یا
فطری تقاضوں پر غالب آ جائیں۔ اور جذبات طبعیہ پر اس طرح قابو پالیں کہ تعلیم وتربیت کے اثر
سے وہ اپنے مزاج کو بھی بدل دیں۔ درندہ کی خاصیت اور اس کا مزاج پھاڑ کھانا ہے تو یہ تعلیم وتربیت
[illegible] کو جذبات پر ایسا غلبہ اور قوت مہیا کر دے کہ بجائے خود کھانے کے وہ شکار مالک کے پاس لاکر
[illegible] دے اور پرندہ کا مزاج اڑنا ہے تو آواز پر فوراً وہ اس سے رک جائے اور واپس ہو جائے۔ اور
[illegible] یہ جانور اپنے طبعی تقاضوں کو پورا کرنے کے بجائے مالک کے حکم کی تعمیل کریں۔

فقہاء کے اس ضابطہ سے انسان کے تعلیم یافتہ ہونے کا معیار بخوبی واضح ہو رہا ہے او
میں آتا ہے کہ اگر انسان تعلیم حاصل کر کے علم کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا۔ تعلیم و تربیت سے
کے مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں آتی تو پھر حقیقت یہ ہے کہ اس کو تعلیم یافتہ نہ کہنا چاہئے۔

الغرض معلوم ہوا کہ انسان کے بدن میں اس کا نفس دراصل ایک بڑکائے کتے کی ط
ہے۔ جب تک تعلیم و تربیت سے اس کے خصائص رذیلہ کو پاک نہیں کیا جائے گا۔ یہ نفس امارہ ر
اور برائیوں پر آمادہ کرنے والا رہے گا اس لئے ضروری ہے کہ فوز و فلاح اور حصول سعادت کے
اس کا تزکیہ کیا جائے۔ جیسا کہ ارشاد ہے **قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا** اور اگر نفس کو اس کے وسا
اور گندگیوں میں آلودہ رکھا تو اس کا انجام یہی ہوگا" **وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا** "(بے شک
ناکام اور ذلیل ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو ان گندگیوں میں آلودہ رکھا۔)

نفس کی اس قسم کے بعد قرآن کریم نے دوسری قسم نفس لوامہ بیان کی ہے۔ جیسا کہ فرما
ہے **لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَه** اور تیسری قسم نفس مطمئ
فرمائی تو قبل از تعلیم و تربیت نفس امارہ ہے اور دوران تعلیم نفس لوامہ ہے اور تعلیم و تربیت کی تکمیل
کے بعد نفس مطمئنہ جس کی صفت "**راضية مرضيه**" فرمائی گئی۔

راضیہ سے اشارہ ہے کہ ایسا نفس ایمان و یقین کی اس اعلیٰ منزل پر پہنچ چکا ہے کہ اس کے بعد
نفس کے اپنے جذبات و تقاضے باقی نہیں رہے۔ بلکہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کے تابع ہو کر اسی
رنگ میں رنگا گیا۔ اب اگر غصہ یا غیظ و غضب اور اشتعال ہے تو اپنے جذبات نفس کے تقاضہ کے
لئے نہیں بلکہ اللہ کے لئے ہے اور مرضیہ سے یہ بتا دیا گیا کہ یہ نفس انعامات خدا اور الطاف و مکارم
کے اس مقام پر پہنچ گیا کہ اس کو خوش کر دیا گیا۔

حضرات! موضوع تو چاہتا تھا کہ اس کے پہلوؤں کی کچھ تفصیل کروں، لیکن اختصار کے
ساتھ بس اتنا ہی عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ نفس کا تزکیہ جو نہایت ہی اعلم و ارفع مقام ہے۔ اس کی
ابتداء طہارت و پاکی ہے اور قرآن کریم میں نازل ہونے والا یہی پہلا حکم ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔
يَا اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ۔ کپڑوں کی پاکی کے
ساتھ مزید حکم بارگاہ رسالت سے یہ معلوم ہوا **اَنْظِفُوا اَفْنِيَتَكُم** کہ اپنے گھروں کے احاطہ کو بھی
پاک و صاف رکھو تو شریعت نے جب مکان اور مکان کے احاطہ یعنی ماحول کی پاکی کا اہتمام اور

مر فرمایا، بدن پر پڑے ہوئے لباس کو پاک صاف رکھنے کا حکم دیا تو ظاہر ہے کہ جو انسان اس لباس اور مکان میں ہے اس کی اور اس کے اعضاء کی پاکی کس قدر اہم ہوگی اور جب اس بدن اور اس کے اعضاء کو پاک رکھنا ضروری ہوا تو ان اعضاء سے متعلق اعمال و افعال کی پاکی اس سے بھی زیادہ ضروری ہوگی اور اس سے زیادہ ضروری اس قلب کی طہارت اور پاکی ہوگی جو اس بدن کے اندر رکھا ہوا ہے۔ جس پر تمام عملی زندگی دائر ہے۔

اس طرح سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی بدصورت اور قبیح الشکل انسان نہایت عمدہ اور مزین لباس پہننے سے خوب صورت نہیں ہو جاتا۔ اسی طرح نفس کی پاکی کے بغیر ظاہری اطوار و اعمال اگر اچھے ہوں تو وہ انسان پاکباز اور اچھا نہیں ہو سکے گا۔ یہی مفہوم ہے۔ رسول ﷺ کے فرمان مبارک کا "اذا صلحت صلح الجسد کلہ" بلکہ نفس کی گندگی اور ناپاکی تو اس قدر خطرناک ہے کہ ظاہر صورت میں اگر عمل بہتر سے بہتر بھی ہو تو بھی اس کو بارگاہ رب العزت سے رجس اور گندہ کہہ کر ٹھکرا دیا جائے گا اور ایسے عمل والے کو فرمایا جائے گا انھم رجس وما واھم جھنم۔ ارشاد نبوی ہے۔ انما الاعمال بالنیات اور یہ نیت اسی داعیہ اور حرکت ارادیہ کا نام ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے اس لئے جب وہی ناپاک ہوگا تو جو فعل بھی کرے خواہ ظاہری اچھا ہو وہ اس گندگی سے آلودہ ہونے کی وجہ سے گندہ ہی ہوگا۔ اسی بناء پر یہ معیار اور ضابطہ فرما دیا گیا فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ کہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ یعنی پاک قلب اور اچھی نیت سے ہے تو وہ اللہ کے یہاں قبول اور پسندیدہ ہے۔ اور جس کی ہجرت اپنے نفس کی خواہش اور [illegible] کے لئے ہے تو پھر ھجرتہ الی ما ھاجر الیہ اس کی ہجرت اسی کے لئے ہوگی [illegible] کے لئے کی ہے۔

تزکیۂ نفس کے مقام پر پہنچنے والی زندگی

حضرات محترم! اس موقعہ پر ایک اجمالی سا جائزہ ہم اس امر کا بھی لے لیں کہ تزکیۂ نفس کے [illegible] پہنچنے والی زندگی کیسی ہوتی ہے؟ اس سلسلہ میں ہمیں قرآن حکیم میں دو اصول ملتے ہیں۔ [illegible] لا تستوی الحسنۃ ولا السیئۃ ادفع بالتی ھی احسن کہ نیکی اور [illegible] برابر نہیں ہے تو برائی کی مدافعت ایسے طریقہ سے کر جو بہتر ہو گویا نفس کی یہ

کیفیت ہو جائے کہ برائی کے بدلہ اور مدافعت میں بھی نرمی اور بھلائی کا اسلوب اختیار کرے یعنی احسان وایثار کی روش ہو۔

دوسرا اصول قرآن کریم یہ آیت مبارکہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ کہ ''اے ایمان والو! کوئی قوم کسی دوسری قوم کا تمسخر نہ کرے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں''۔ مردوں کے ساتھ یہ حکم عورتوں کے لئے یہی ہے کہ عورتیں بھی ایک دوسرے کی تحقیر و تمسخر نہ کریں۔ ممکن ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں جن کی تحقیر کر رہی ہیں اسی کے ساتھ طعن تشنیع، عیب جوئی، غیبت اور حقارت آمیز القاب اور عنوان سے پکارنا! تو ایسے تمام رذائل سے سختی کے ساتھ باز رہنے کا حکم دیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ سب باتیں نفس کی گندگی کے آثار ہیں۔ تو ان سے نفس کی پاکی کے بعد اس عظمت وخوبی کو حاصل کرنے کی ضرورت ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی اور بھلائی سے دیا جائے۔

اور یہ ضروری ہے کہ یہ وصف جہاں مخلوق کے ساتھ ہونا ضروری ہے خالق کے ساتھ بھی ہونا چاہیئے۔ تو خالق کے حق میں تزکیہ نفس خشیت وتقویٰ کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اور مخلوق کے حق میں عدل وانصاف، دیانت وصداقت ایثار وخدمت، احسان اور صلۂ رحمی کے رنگ میں نمایاں ہوگا۔ اس طرح کہ معاملات میں حسن اخلاق اور مکارم کا پیکر ہو اور معاشرت میں عفت و پاکدامنی کی تصویر ہو۔

تزکیۂ نفس اور تہذیب اخلاق کا سرچشمہ ذات اقدس جناب رسول اللہ ﷺ ہے۔ اسی ذات اقدس سے انتساب اور ارتباط قلب انسانی کو رذائل اور خصائل ذمیمہ سے پاک کر کے تزکیۂ وطہارت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچانے کا باعث ہے۔ جس کے لئے خداوند ذوالجلال نے اپنے رسول پاک ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اور اس مقصد کی تکمیل چونکہ خاتم الانبیاء والمرسلین جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے ہونی تھی۔ اس وجہ سے اللہ نے اپنے خلیل کی زبان سے یہ دعا جاری کرادی

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلو علیھم آیاتك ویعلمھم الکتاب والحکمة ویزکیھم انك انت العزیز الحکیم۔

حضرات! اگر ہم تزکیہ وطہارت کا بلند ترین مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی زندگیوں کے روابط اور رشتے بارگاہ رسالت کے ساتھ وابستہ اور مربوط کر دیں۔

قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان کیا ہے کہ ان کا کتا جب ان کے ساتھ ایسا وابستہ

ہو کہ **وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید** تو قرآن کریم نے ان حضرات کی تعداد شمار کرتے ہوئے ان کے کتے کو بھی ذکر کیا۔ **ویقولون سبعۃ وثامنھم کلبھم**۔ حالانکہ وہ ایک درندہ اور ناپاک جانور تھا۔

تو اس ارتباط و انتساب سے جب کتا بھی ان کے ساتھ شمار کرنے کے قابل بن گیا تو کیا انسان اشرف المخلوق ایمان وتقویٰ کے ساتھ جب اپنی زندگی کا رابطہ سرور کائنات جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ وابستہ کرلے گا تو تزکیہ وطہارت کے بلند ترین مقام تک نہیں پہنچے گا؟ ضرور بالضرور یہ نسبت وارتباط اس کو بڑی عظمتوں تک پہنچائے گا۔

مٹی اگر پھولوں کے ساتھ وابستہ ہو جائے تو وہ بھی مہکنے لگتی ہے۔اور جب اس سے پوچھا جائے کہ اے خاک تجھ میں یہ مہک اور خوشبو کہاں سے آئی (بدو گفتم مشکی یا عبیری کہ از بوئے دل آویز تو مستم) تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے۔

بگفتا من گلے ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم!
جمال ہم نشین درمن اثر کردے
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

آیئے! ہم دعا کریں کہ اللہ رب العزت ہمیں اس توفیق وسعادت سے سرفراز فرمائے کہ ہم اپنے دلوں کا رخ آفتاب رسالتؐ کی طرف کر کے اپنی زندگیاں انوار رسالت سے مزین کریں اور دنیا وآخرت کی فلاح وکامرانی حاصل کریں۔(آمین)

تیری حیات پاک کا ہر لمحہ پیغمبر لگے

(صاحبزادہ خورشید احمد گیلانی مرحوم)

دنیا کے تمام وارفتگان ہوش وخرد اور جملہ شیفتگان عقل و حجت اپنی مرضی کی میزان اور اپنی پسند کا پیمانہ لے کر آئیں اور حضور اکرم ﷺ کی شخصیت کو بڑی حزم واحتیاط کے ساتھ تولیں اور کڑے معیار کے ساتھ ناپیں، تحریض وترغیب کے جملہ لوازم اور تحویف وترہیب کے سبھی اسباب سے بے نیاز ہو کر کامل تنہائی میں حساب لگائیں اور نتیجہ مرتب کریں تو ان کا داعیۂ فطرت اور مفتئ دل پکار اٹھے گا۔

تیری حیات پاک کا ہر لمحہ پیغمبر لگے

ہماری طرف سے کوئی قید نہین کہ وہ صرف عہد نبوت کا جائزہ لیں، یا اجتماعی زندگی کو پرکھیں، یہ بھی کوئی پابندی نہیں کہ وہ آپ کی عائلی زندگی پر گفتگو نہ کریں، اور نہ ہی یہ حد بندی ہے کہ وہ قبل از نبوت کے دور کو نہ چھیڑیں، ہم یہ بھی فرمائش نہیں کرتے کہ وہ آپ کی مذہبی زندگی ہی کو موضوع تحقیق بنائیں، اور یہ بھی نہیں کہ صرف سیاسی فتوحات کا تجزیہ کریں۔

ہمارا دعویٰ اور دعوت یہ ہے کہ حلیمہ سعدیہ کی بکریاں چرانے سے لے کر میدان عرفات میں انسانی حقوق کا چارٹر عطا کرنے اور تکمیل دین کی خوشخبری سنانے تک کے جملہ احوال وکوائف کو اپنی نگاہ کے احاطے میں لے آئیں، صحن حرم کے اس منظر کو بھی یاد رکھیں جب نماز پڑھنے کی پاداش میں آپ کو اذیت کا نشانہ بنایا گیا اور گردش لیل ونہار کے اس رنگ کو بھی اپنے کینوس پر جگہ دیں جب دس ہزار قدسیوں کے جلو میں آپ وارد مکہ ہوئے اور صحن حرم کو بتوں سے پاک کر دیا، تاریخ کا وہ ورق بھی پلٹیں جب مکہ سے طائف تک کا پورا علاقہ آپ کے لئے عقوبت گاہ بن چکا تھا اور وقت کا وہ سبق بھی سامنے رکھیں، کہ کل کے قاتل آج زندگی کی بھیک مانگنے کے لئے جمع تھے، **لاتثریب علیکم الیوم** کا نغمہ حیات اپنے کانوں سے سن رہے تھے، مسجد کے دالان میں جھکی ہوئی پیشانی بھی ملاحظہ کریں اور جنگ کے میدان میں شوق شہادت کی فراوانی بھی

دیکھیں۔

تریسٹھ برس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ صدیوں کی رہنمائی کا سامان فراہم کرتا نظر آتا ہے، ایک فرد نہیں پوری قوم صدی بھر میں اپنے اخلاق کو جس نقطہ کمال پر لے جاتی ہے، پیغمبرؐ کی زندگی کا ایک لمحہ اس معیار اخلاق کا نقطہ آغاز ہوتا ہے۔

فلسفی جس گتھی کو اپنی حیات کے آخری لمحے تک نہیں سلجھا پاتے وہ نبی کے ایک اشارہ ابرو سے سلجھ جاتی ہے۔

شاعر برسوں کی محنت وکاوش کے بعد یہ کہنے کے قابل ہوتے ہیں۔

غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

جبکہ پیغمبر کا ہر لفظ ملکوتی لہجے کا امین ہوتا ہے، متکلم جس مضمون کو ہزار تکلف کے ساتھ سو رنگ میں باندھتے ہین وہ رسول کا فطری آہنگ ہوتا ہے۔

ہر محقق کی حتمی اور آخری تحقیق میں بھی شک وشبہ شامل ہوتا ہے لیکن مبعوث برحق کا حرف اول بھی لوح محفوظ سے نازل ہوتا ہے۔

ہر دانشور کا خلاصہ فکر امکان وگمان ہوتا ہے جبکہ پیغمبر کا ہر فرمودہ عرفان وایقان ہوتا ہے، کسی نابغہ اور عبقری کے خیال میں وہ بالیدگی نہیں ہوتی جتنی فرستادہ خدا کے احوال واعمال میں پاکیزگی ہوتی ہے۔

ارباب خبر کی کتاب زندگی کے کئی اوراق عمل کے اعتبار سے خالی نظر آئیں گے مگر حیات پیغمبر کا ہر لمحہ پیغمبرانہ شان لئے ہوتا ہے۔

...

جب ہم اس تمہید کی روشنی میں نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور معمولات حسنہ کا جائزہ لیتے ہیں تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی خفی وجلی گوشہ ایسا نہیں جو تجلی نبوت سے آشنا نہ ہو، کیا مکی عہد اور کیا مدنی دور، دونوں میں ایک ہی شان نظر آئے گی، آپ کی سیرت مطہرہ کے بے کنار سمندر کی تہہ سے اچھلے ہوئے چند موتیوں کی آب وتاب ملاحظہ ہو۔

عزم واستقلال

یہ عہد نبوت کے ابتدائی مراحل کی بات ہے، آنحضرت ﷺ کی انقلابی تحریک ابھی چند قدم چلی تھی اور بے سروسامان تھی اس پر چارطرفہ مخالفت مستزاد، مخالفین کی طرف سے تمسخر، افترا اور دشنام روز مرہ کا معمول تھا اس سے بھی ایک قدم آگے جسمانی اذیت اور رفقاء کار کے ساتھ متشددانہ بلکہ بہیمانہ سلوک جاری تھا اور ہروہ ستم جو ایجاد ہو چکا تھا آپ پر توڑا جا رہا تھا ان گسل اور حوصلہ شکن حالات میں کفار مکہ نے آپ کے مادی اعتبار سے واحد محافظ اور معاون جناب ابوطالب سے ملاقات کی اور اپنی تشویش کا اظہار کیا اور ساتھ ہی ایسے لہجے میں گفتگو کی کہ ابوطالب بھی سوچنے پر مجبور ہو گئے، آخر وہ کب تک شہر بھر کے دباؤ اور برادری کی ناراضگی کا مقابلہ کرتے ، جناب ابوطالب بوجھل قدموں کے ساتھ چل کر حضورؐ کے پاس آئے اورؐ اپنی مجبوریوں اور صنادید مکہ کی دھمکیوں کا سارا احوال سنایا اور دلگیر ہو کر کہا:۔

''بھتیجے! میرے ناتواں کندھوں پر اتنا بوجھ ڈالو جتنا وہ سہار سکیں''۔

اس نازک لمحے میں جہاں ایک تنکے کی مدد بھی پیغمبر ﷺ کے لئے کوہ گراں کے برابر تھی جناب ابوطالب کا یوں پسپائی اختیار کرنا آپ کے لئے زلزلے سے کم نہیں تھا، مگر آپ نے کمال توکل اور شان تیقن کے ساتھ فرمایا میں آپ کے مخلصانہ تعاون اور بزرگانہ شفقت کا ہر طرح شکر گزار ہوں لیکن جہاں تک دباؤ اور دھمکیوں کے باعث کار نبوت سے دستبرداری کا سوال ہے میں تمام تر جذبات سپاس وتشکر کے ساتھ آپ کا یہ مطالبہ نہیں مان سکتا، میرا معاملہ یہ ہے کہ

''اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں پھر بھی میں اپنے کام سے باز نہیں آؤں گا یا تو اللہ تعالیٰ مجھے اس میں کامیابی سے نوازے گا، یا میں اس راہ میں کام آجاؤں گا''۔

چہرہ نبوت

یہودیوں کے بہت بڑے عالم عمرو بن حصین اپنے رہبان واحبار اور کتابوں کے انبار کے

ساتھ حضور ﷺ سے بحث ومناظرہ کی غرض سے آپ کے پاس آئے ، اور یہ سوچ کر آئے کہ ایک "امی" آخر ایک "عالم" کا کیا سامنا کر سکے گا؟

ملاقاتمیں رسمی باتوں کے ساتھ ابھی باقاعدہ بحث کا آغاز ہی ہوا کہ عمرو بن حصین کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں، ان کے رفقاء کو ظاہر ہے سخت کوفت اور ندامت کا سامنا کرنا پڑا اور وہ اپنے "مناظر اعظم" پر برس پڑے ان کی تو گویا ناک کٹ گئی تھی ، مگر عمرو بن حصین نے یہ کہہ کر حقیقت پر سے پردہ اٹھا دیا کہ میں نے جب ایک بھرپور نگاہ محمد ﷺ کے چہرے پر ڈالی تو سچی بات ہے کہ میرا دل گواہی دے اٹھا "یہ کسی جھوٹے کا چہرہ ہو ہی نہیں سکتا"

اور میں بے اختیار مسلمان ہو گیا (یہی صاحب حضرت عبداللہ بن سلام کے نام سے معروف ہوئے).

توکل علی اللہ

جس دور میں حضور اکرم ﷺ کو شہید کرنے کے منصوبے بن رہے تھے، اور کفار نے آپ کے سر کی قیمت لگا رکھی تھی ، دعثور بن حارث انعام کے لالچ میں آپ کی جان اطہر کے در پے تھا، حضور مکے سے باہر کسی جگہ زمین پر محو استراحت تھے اور اپنی تلوار درخت سے لٹکا رکھی تھی ایسے میں دشمن جاں موقع پر پہنچ گیا اور اسے اس ناگہانی کامیابی پر بے حد خوشی ہوئی ، اس پر اسے اطمینان تو ہوا کوئی محافظ بھی نہیں اور آپ گہری نیند میں ہیں اور وہ باآسانی اپنا کام کر سکتا ہے، مگر تھا بہر حال عرب، سوتے میں شہید کرنا اس نے شیوۂ مردانگی کے خلاف سمجھا، اس نے بڑی درشتی و رعونت کے ساتھ آپ کو جگایا اور بڑے حقارت آمیز لہجے میں پوچھا۔

"اب میری تلوار سے تمہیں کون بچا سکتا ہے؟"

اس ماحول میں کسی کے ہوش وحواس کا خطا ہونا معمولی بات ہے مگر آپ نے بڑے، تحمل اور [illegible] سے فرمایا "میرا اللہ" یہ جملہ کچھ اس شان اور انداز سے ادا ہوا کہ دعثور پر لرزہ طاری ہو گیا اور [illegible] دستے پر اس کی مٹھی کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی، اور کانپتے ہاتھوں سے تلوار زمین پر گر پڑی.

آپ نے اس کی تلوار اپنے قبضے میں لے کر فرمایا۔

''تم بتاؤ میرے وار سے تمہیں کون بچائے گا''؟

جواب میں **گمبیھر** خاموشی اور آنکھوں میں التجا کے ڈورے تھے، آپ نے
شفقت سے فرمایا۔

''جا میں نے تجھے اللہ کے لئے معاف کیا''

یہ فرمانا تھا کہ دعثور کے منہ سے بے اختیار کلمۂ توحید نکلا اور دیکھتی آنکھوں، سنتے کانوں
لینے کا ارادہ کر کے آنے والا اپنا دل و دماغ دے بیٹھا۔

عفوودرگذر

سختی جو جبر و استبداد کی بناء پر ہو وہ مستحسن امر نہیں اور نرمی جو کمزوری کی وجہ ہو وہ قابل فخر نہیں
عفوودرگذر کا یہی مفہوم ہے کہ بدلہ اور انتقام کی پوری قدرت حاصل ہونے کے باوجود لوگوں
حسن سلوک کا مظاہرہ ہو، آپ کی پاکیزہ زندگی کا جائزہ لیتے وقت جا بجا ہمیں ایسے واقعات
آتے ہیں کہ بارہا آپ نے جانی دشمنوں کو معاف کیا، پتھر مارنے والوں کو دعاؤں
نوازا، بدخواہوں کو نیک تمناؤں کا پیغام بھیجا، درپے آزار لوگوں سے محبت کا اظہار فرمایا حتیٰ کہ
لوگ بھی آپ کے دامن عفو و کرم میں پناہ لینے کے قابل ہو گئے کہ جن کے جرائم بڑی اور کڑی
کے لائق تھے، فتح مکہ کے تاریخ ساز موقع پر آپ کا دریائے کرم پورے جوش پر تھا اور کنارو
سے باہر نکل رہا تھا، اور یہی وہ دن تھا جب کفر اور کفار مکمل طور پر سرنگوں ہو چکے تھے اور آپ
اللہ تعالیٰ نے سربلندی و سرفرازی کی معراج پر پہنچا دیا تھا، اس عالم میں وہ وہ لوگ معافی پا گئے جن
کی شقاوت قلبی کی یہ کیفیت تھی کہ اس کا عکس بھی زمین پر پڑ جاتا تو زمین روئیدگی کا جوہر کھو بیٹھ
اور ان کے کردار کی سیاہی کا ایک چھینٹا چاند پر پڑ جاتا تو چاند کی روشنی مدھم پڑ جاتی، ایسے لوگوں
میں ایک ہبار بن الاسود تھا جس نے عمر بھر آپ کو ایذا دی، اور ایک بار دوران سفر آپ کی
صاحبزادی سیدہ زینبؓ پر برچھی کا ایسا وار کیا کہ آپ کا حمل ضائع ہو گیا بایں ہمہ فتح مکہ کے دن

مجرموں کی قطار میں یہ بھی موجود تھا یہ خود تو کڑی سزا کا منتظر تھا مگر اسے پروانہ معافی مل گیا۔

کعب بن زہیر، عرب کا مشہور شاعر اور نامور ادیب تھا، اس کی شاعری اور فصاحت و بلاغت کا غالب حصہ اسلام اور پیغمبر اسلام کی ہجو اور قدح میں صرف ہوا، اس کا زور بیان ایک محاذ کی طرح حضور کے خلاف کھلا رہا یہ بھی فتح مکہ کے موقع پر گرفتار کر کے لایا گیا، بعض لوگوں کی تجویز تھی کہ اس کے سامنے والے دانت اکھڑ وا دیئے جائیں تا کہ صاف لہجے میں بات کرنے کے قابل نہ رہے مگر آپ نے فرمایا میرا خدا مجھے کسی انسان کا چہرہ بگاڑنے کی اجازت نہیں دیتا، آپ نے اسے بھی اپنے دامن کرم میں جگہ دی اور معاف کر دیا۔

آپ کے عزیز ترین چچا اور ذاتی محافظ حضرت حمزہؓ کا قاتل وحشی بھی مجرموں کی صفؔ میں موجود تھا اور منہ چھپائے کھڑا تھا آپ نے اس سے بھی کوئی تعرض نہیں فرمایا اور وہ بھی معافی پانے والوں میں شامل ہو گیا، اسلام اور پیغمبر اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل کا بیٹا بھی اسی موقع پر اپنی سزا کا منتظر تھا اور مکافات عمل کا گہرا سایہ اس کے چہرے پر چھایا ہوا تھا حضور نے اسے بھی معاف فرما دیا۔

غرض اس موقع پر جہاں بڑے بڑے صابر اور حلیم الطبع اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے، اور آتش انتقام بھڑک بھڑک اٹھتی ہے حضورؐ نے عفو و درگذر کا وہ مظاہرہ فرمایا کہ جس کی توقع دشمن تو کیا کوئی دوست بھی نہیں کر رہا تھا۔

عالی ظرفی

انسان بعض نہیں بلکہ بسا اوقات انتہائی عسرت اور عشرت کے دور میں اپنے حواس اور اعصاب پر قابو نہیں رکھ سکتا، عسرت میں مایوسی اور عشرت میں غفلت یہ عام لوگوں کا شعار ہے، لیکن عالی ظرف وہ ہوتا ہے جو شکستہ سامانی اور شاد بانی دونوں مرحلوں میں اپنے آپ میں رہے، دکھ سکھ زندگی کا لازمہ ہے، اور ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ایک متوازن شخصیت ہر دو مواقع پر تحمل اور بردباری کا مظاہرہ کرتی ہے۔

حضور ﷺ کی مشنری زندگی میں جو چند انتہائی درد انگیز، تکلیف دہ اور کٹھن مراحل آئے ان میں ایک سفر طائف کا مرحلہ ہے، آپ نے مکے سے طائف کا سفر بڑی خوش کن توقعات سے شروع کیا جونہی آپ نے طائف میں قدم رکھا تو کاٹ کھانے والی تنہائی نے آپ کو گھیر لیا، بھری بستی میں اس طرح کی اجنبیت اور تنہائی انسان کو عجیب دل شکستگی سے دوچار کر دیتی ہے، حضور ﷺ نے جونہی لوگوں کو خدائے واحد کی بندگی کی دعوت دی تو اہل طائف نے اپنے مہمان کی تواضع ہلڑ بازی، آوازے کسنے اور پتھروں کی بارش سے کی، لہولہان پنڈلیوں سے خون نچڑ نچڑ کر جوتیوں میں جمع ہو جاتا ہے، زخموں کے باعث قدم اٹھانا دشوار ہو رہا ہے، بیٹھنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر لفنگے اور چھوکرے پتھر مار مار کر اٹھنے پر مجبور کر دیتے ہیں، کسی شریف آدمی نے پانی کا پیالہ پیش کیا تو وہ بھی کسی طرف سے پتھر لگنے کے باعث گر کر ٹوٹ جاتا ہے، جب ستم حد سے بڑھ گیا تو پہاڑ کا فرشتہ حاضر ہو کر کہتا ہے، اہل طائف کا یہ ظریفانہ اور سنگدلانہ سلوک اللہ کو سخت ناپسند ہے، آپ اجازت دیں تو جبل طائف اور جبل بوقبیس کو آپس میں اس طرح ملا دوں کہ پوری بستی پس کر سرمہ بن جائے، یا ان کے بارے میں کوئی بددعا کیجئے کہ لحہ قبولیت ہے، اس عالم میں کائنات انسانی کے سب سے بڑے عالی ظرف انسان نے فرمایا۔

''میں بددعا کرنے والا نہیں میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، خدایا اس قوم کے شعور کی آنکھیں کھول دے یہ نادان میری بات سمجھتے نہیں ہیں''

اللہ اکبر! غم واندوہ اور اذیت و تکلیف کے اس مراحلے میں اس طرح کی عالی ظرفی کا شاید کسی نے نظارہ کیا ہو۔

تواضع وانکسار

شیخ سعدیؒ نے کس سادگی مگر زبردست بلاغت کے ساتھ تواضع کا مفہوم بیان کیا ہے۔

تواضع. زگردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

تواضع کا اظہار ہمیشہ عالی جاہ اور ذی منصب لوگوں سے اچھا لگتا ہے، کوئی بھکاری انکسار کا مظاہرہ کرے بھی تو کیا؟ یہ تو اس کی عادت ہوتی ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے مقام و منصب کا یہ عالم ہے کہ آپ کی بارگاہ قدس میں جنیدؒ و بایزیدؒ کو اونچی سانس لینے کی اجازت اور جرات نہیں، ان کی اطاعت غیر مشروط اور اتباع واجب ہے، سید الانبیاء، حامل لواء الحمد، شافع محشر، صاحب قاب قوسین، تاجدار ختم نبوت، ایسے القاب آپ کی ذات اقدس کے لئے مختص ہیں۔

انہیں کوئی نگاہ عشق و مستی سے دیکھے تو وہی اول اور آخر دکھائی دیتے ہیں، جن کے قدموں نے غبار راہ کو فروغ وادی سینا عطا کردیا، جن کی نسبت نے گدائے راہ کو شکوہ قیصری بخشا، جن کے دم سے گلزار ہستی میں آج تک رونق ہے، اور جن کا نام عظمت نوع بشر کی ضمانت ہے۔

اس سب کے باوجود تواضع آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، جس وقت آپ کی حکومت شمال میں اردن، جنوب میں یمن، مشرق میں خلیج فارس اور مغرب میں بحیرۂ احمر تک پھیل چکی تھی اس وقت بھی تواضع اور انکسار آپ کی شخصیت کا خاصہ رہا۔

ایک بدو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ عرض کرنے لگا، مجلس کی ہیبت اور جلال نبوت کی تاب نہ لاتے ہوئے بدو کے ہونٹ لرزنے لگے، زبان لڑکھڑانے لگی، اور الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر منہ سے نکلنے لگے تو آپ نے دلاویز مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا۔

"تم کھل کر بات کرو میں اس ماں کا بیٹا ہوں جو کئی دن سوکھی کھجور کھا کر اور پانی پی کر گزارا کرتی تھی"

جب حضرت ابوبکرؓ اپنے نابینا والد ابوقحافہ کو آپ کی خدمت میں لائے تو آپ نے فرمایا۔

"انہیں کیوں زحمت دی، مجھے کہا ہوتا میں خود ان کے پاس حاضر ہو جاتا"

ایک نیم پاگل عورت آپ کا ہاتھ پکڑ کر گلی کی نکڑ پر لے جاتی ہے اور دھوپ میں کھڑا کر کے بے مقصد باتیں شروع کر دیتی ہے، صحابہ کو یہ منظر بہت ناگوار گزرا، کافی دیر بعد جب حضورؐ واپس

تشریف لائے تو رفقاء نے اپنی تشویش سے آگاہ کیا اور عرض کیا حضورؐ وہ تو ایک پاگل عورت ہے۔ آپؐ کا اس قدر التفات چہ معنی؟ آپؐ نے فرمایا۔

''اس عورت کی بات کوئی بھی نہیں سنتا، اگر میں بھی اس کی بات نہ سنوں تو اس کی آس ٹوٹ جاتی۔''

ایک مرتبہ ایک شخص نے از راہ عقیدت آپ کو''اے ہمارے آقا''''اے ہمارے آقا کے فرزند''''اے ہم میں سب سے بہتر'' کے محترم و مکرم الفاظ سے مخاطب کیا، تو آپ اس طرز تخاطب پر چونکے اور فرمایا''اے لوگو! پرہیز گاری اختیار کرو، شیطان تمہیں گرانہ دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد ﷺ ہوں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، مجھ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا، مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ تم مجھے اس سے بڑھاؤ''

جذبات عقیدت کے استحصال سے گریز

دنیا میں بڑے لیڈر گزرے ہیں اور بلا استثناء ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے اردگرد کارناموں، کمالات، کرشموں اور حیرت انگیز واقعات کا ہالہ قائم ہو، وہ خوبیاں جو اس میں ہیں اور وہ جو نہیں، سب اس کی طرف منسوب ہوں تا کہ لوگوں کو اس کی شخصیت طلسم ہوشربا معلوم ہو، مگر جو لوگ فی الواقع صاحب کمال ہوتے ہیں وہ اس طرح کی مصنوعی اور افسانوی شخصیت گری کو کوئی وقعت نہیں دیتے وہ اپنا قد ایڑیاں اونچی اٹھا کر بڑا نہیں بناتے اور قامت کو کمخوابی خلعت پہنا کر زیبا نہیں کرتے، بلکہ وہ جائز تعریف و تحسین کو بھی مبالغہ سمجھتے ہیں۔

ایسی کوئی بات آپ سے منسوب کی تو آپ نے ٹوک دیا، اگر کوئی امر واقعہ بیان کیا تو آپ نے حکیمانہ انداز میں روک دیا، جس روز آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو اتفاق سے اس دن سورج گرہن تھا بعض اصحاب نے آپس میں چہ میگوئیاں کی کہ دیکھو پیغمبر کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ آپ کے صاحبزادے کے انتقال پر سورج بھی شریک غم ہو گیا ہے اور وہ سوگ منا رہا ہے، آپ تک جب یہ تبصرے پہنچے تو آپ نے مسجد میں لوگوں کو جمع فرمایا اور اپنے

خطاب میں گردش لیل ونہار اور سورج اور چاند کے طلوع وغروب میں قدرت کی کارفرمائیوں کا ذکر فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ ''سورج کا چمکنا اور اس کا گرہن ہونا یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے، کسی کے پیدا ہونے اور مرے سے اس کا کوئی تعلق نہیں خواہ وہ نبی کا بیٹا اور عزیز کیوں نہ ہو''

حالانکہ یہی وہ موقع ہوتا ہے جب لوگوں کی ارادت وعقیدت کا لیڈر با آسانی استحصال کرتا ہے، کیوں کہ لوہا از خود گرم ہوتا ہے بس چوٹ لگانا پڑتی ہے، مگر صاحب خلق عظیم ان باتوں سے ہمیشہ بلند اور گریزاں رہے۔

ایثار

اپنے جائز حق کا مطالبہ اور تحفظ انصاف ہے اور اپنے حق پر دوسرے کی ضرورت کو ترجیح دینا ایثار ہے، آج کے دور میں انصاف اور ایثار تو کجا استحصال کو فیشن کا درجہ حاصل ہے، بہت اچھا ہے وہ انسان جو ہر معاملے میں ہوس کے بجائے انصاف کا خواہاں ہو، مگر یہ حوصلہ بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے کہ وہ انصاف سے بھی آگے ایثار کا معاملہ کریں، یعنی اپنے حق سے دستبردار ہو کر دوسرے کو رعایت اور سہولت دینے پر آمادہ وتیار ہو یہ وصف کسی تکلف اور تصنع کی بنیاد پر آدمی میں پیدا نہیں ہوتا بلکہ سچے جذبے کی تحریک پر ہوتا ہے، یہاں بھی ہمیں نبی اکرم ﷺ کی حیات قدسیہ کا ایک ایک لمحہ ایثار پر شاہد عادل نظر آتا ہے۔

آپ ایک جنگ سے فتح یاب ہو کر لوٹے، اموال وغنائم کا ڈھیر آپ کے سامنے پڑا ہے، مال غنیمت میں سے ضرورت مندوں کو حسب طلب دیا جا رہا ہے، کچھ لونڈیاں بھی اس جنگ میں ہاتھ آئیں، آپ کی صاحبزادی سیدہ فاطمہؓ کسی ذریعے سے آپ تک یہ درخواست پہنچاتی ہیں کہ کام کاج کے باعث ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں، کرم ہوگا اگر ایک لونڈی مجھے بھی عطا کر دی جائے تاکہ کام کا بوجھ ہلکا ہو سکے، آپ کو سیدہ کی نازک طبعی کا پورا اندازہ تھا اور محنت مشقت کا بھی بھرپور احساس، برتن مانجھنا، کپڑے دھونا، چکی پیسنا، بچوں کی تربیت، خاوند کی خدمت، آٹا گوندھنا، جھاڑو پھیرنا، اور پھر رات کا ایک حصہ عبادت الٰہی میں بسر کرنا، یہ سب حضرت فاطمہؓ

ے معمولات تھے، مگر آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

''جان پدر! کیا کروں بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں اور وہ واقعی ضرورتمند ہیں''

سیدہ بھی چونکہ آغوش نبوت کی پروردہ تھیں، اس فیصلے کو خوشدلی سے سنا اور خاموشی سے اس کی تعمیل کی اور یتیموں کی ضرورت کے احساس نے اپنے احساس مشقت کو مٹا ڈالا۔

خوئے دلنوازی

بڑا بننے کے لئے آج کل ضروری ہے کہ دوسروں کو چھوٹا سمجھا اور باور کرایا جائے اور انہیں مسلسل اور مستقل احساس کمتری کا مریض بنایا جائے، ان میں کوئی خوبی ہو تو ظاہر نہ کی جائے، وہ شفقت کے دو بول سننے کے محتاج اور مستحق بھی ہوں تو جھڑکیوں سے کام لیا جائے، تاکہ دبدبہ قائم اور پندار برتری برقرار رہے۔

حضور ﷺ کا معمول اس میدان میں بھی ''لیڈرانہ'' نہیں بلکہ پیغمبرانہ رہا، آپ سفر معراج سے واپس آئے تو حضرت بلالؓ ملنے حاضر ہوئے، آپ انہیں دیکھ کر مسکرا دیئے حضرت بلالؓ کو شک گزرا کہ کہیں میرا حلیہ یا کپڑے دیکھ کر تو حضور نہیں مسکرائے، انہوں نے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا، ''بلالؓ تم وہ کون سا اچھا عمل کرتے ہو کہ جب میں رات جنت میں داخل ہورہا تھا تو ڈیوڑھی میں تمہارے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی تھی''

کیا خیال ہے اس محبت آفریں جملے نے بلالؓ کی دور غلامی کی ساری کوفت اور کلفت دور نہیں کردی ہوگی؟ اور ان کا دماغ عرش پر نہیں پہنچ گیا ہوگا؟

یک بار حضورؐ نے اپنے غلام زادے اسامہؓ کو اپنی گود میں بٹھا رکھا تھا اور ساتھ ہی آپ کے نواسے حضرت حسنؓ تھے، آپ دونوں کا منہ چومتے اور فرماتے، ''یا اللہ میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما'' ایک مرتبہ وفور محبت میں آپ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''اسامہ میری بیٹی ہوتا تو میں اپنے ہاتھوں سے اسے کنگن پہناتا''

کئی دفعہ حضورؐ نے اپنی آستین سے حضرت اسامہؓ کی بہتی ناک صاف فرمائی، یہ اور اس طرح کی بے شمار مثالیں تاریخ اور سیرت کے اوراق میں محفوظ ہیں، جو ایک ریکارڈ ہے، نبوت کے اعلان سے پہلے ''الصادق'' اور ''الامین'' جیسے باوقار لقب سے یاد کیا جانا اور ہر قبائلی جھگڑے میں ثالث بنایا جانا یہ آپ کے پیغمبرانہ کردار کا اعتراف ہے۔

یہ اور دوسرے بے شمار واقعات مثلاً عین میدان جنگ میں انسانی حقوق اور حرمتوں کا تحفظ ،حسن معاملہ، فتح مکہ کے موقع پر شاہانہ ورود کے بجائے درویشانہ انداز ،اصحاب واحباب کے بالکل نجی اور معمولی معاملات میں برادرانہ دلچسپی ،سربراہ مملکت ہونے کے باوجود رہن سہن کا غریبانہ معیار، قیامت تک کے لئے اپنی اولاد پر زکوۃ اور صدقات واجبہ لینے کی پابندی ،وغیرہ ایسی دلیلیں ہیں، جنہیں کوئی بھی مؤرخ بادشاہوں ،فرمانرواؤں ،کجکلاہوں ،سریرآراؤں ،اورنگ نشینوں ،تاج پوشوں اور منصبداروں کی تاریخ میں نہیں ڈھونڈھ سکے گا۔

یہ جواہر پارے صرف اس کتاب میں ملیں گے جس کا سرنامہ پیغمبر اعظم وآخر ﷺ کا نام نامی اسم گرامی ہے، جن کے طرزِ عمل کو اللہ تعالیٰ نے ''اسوۂ حسنہ'' کا درجہ عطا کیا ہے۔

قبل از فتح انفاق وقتال کرنے والوں کا درجہ بلند ہے

لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح و قاتل ط اولئك اعظم درجة من الذین انفقوامن بعد و قاتلواط و کلاًوعداللہ الحسنیٰ ط وا للہ بما تعملون خبیره (۵۷/۱۰)

تم میں سے جن لوگوں نے قبل فتح انفاق وقتال کیا وہ (بعد والوں کے) برابر نہیں ۔وہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بڑے ہیں جنہوں نے بعد از فتح انفاق وقتال کیا۔ ہاں اللہ نے حسنیٰ کا وعدہ دونوں سے کیا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔

باطنیت کے اثرات تصوف پر

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

کاشانی کی کتاب کے بعد اب ہم ناظرین کو حضرت مولانا محمد عثمان انصاری نقشبندی جالندھریؒ کی ''تصنیف محبت'' باری کی سیر کراتے ہیں۔ مصنف کتاب نے جیسا کہ اس کے مترجم مولوی محمد سلیمان صاحب گیلانی نے ''عرض مترجم'' میں لکھا ہے سب سے پہلے حضرت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے قادری سلسلے میں بیعت کی تھی، پھر خواجہ محمد اسحقؒ سے نقشبندی طریق کی اجازت حاصل کی۔ آخری دور حضرت خواجہ باقی باللہ متوفی ۱۰۱۲ھ کی خدمت میں گزارا۔ یعنی خواجہ محمد عثمان، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے پیر بھائی تھے اور غالباً گیارہویں صدی ہجری کے نصف اوّل میں فوت ہوئے۔ اس سے زیادہ ان کے حالات معلوم نہ ہو سکے۔ ص ۱۵

فاضل مترجم طریقت اور شریعت دونوں کے جامع ہیں انہوں نے اس کتاب میں جس قدر ضعیف احادیث اور غلط روایت درج ہیں سب کی نشاندہی کی ہے۔ اسلامی تصوف میں غیر اسلامی عقائد کی جو آمیزش ہوگئی ہے اس پر ان کا تبصرہ ذیل میں درج کرتا ہوں۔ کیونکہ اس سے میرے دعوے کی تائید وتصدیق ہوتی ہے:۔

''قصہ مختصر آج کل تصوف میں منکر'' کی آمیزش ہو چکی ہے۔ طالب کو لازم ہے کہ صوفیہ کی اچھی باتوں کو حاصل کرے، غلط باتوں کو چھوڑ دے۔ اصل دین (اہل تصوف کی کتابیں نہیں بلکہ) کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ ہے۔ صوفیہ کے جو اقوال کتاب وسنت کے مطابق ہوں ان کو قبول کرلیا جائے اور جو ان کے خلاف ہوں انہیں چھوڑ دیا جائے۔

محدثین میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو جمع حدیث میں بھی امام ہیں۔ اور راویوں پر تنقید میں بھی امام ہیں۔ دوسرے وہ جو جمع حدیث میں تو امام ہیں مگر تنقید میں دسترس نہیں رکھتے۔ تیسرے وہ جو جمع حدیث میں امام نہیں مگر نقد روایت میں امام (ماہر) ہیں۔ لیکن صوفیاء میں سے کوئی بھی ان فنون یعنی فن جرح وتعدیل یا فن نقد وتبصرہ یا فن اسماء الرجال کا مرد میدان نہیں

ہے۔ انتہائی عقیدت کے باوجود جب ہم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی کتاب غنیۃ الطالبین کو دیکھتے ہیں تو اس میں بھی کافی ضعیف روایات دیکھنے میں آتی ہیں اور بعض موضوع روایات بھی اس میں آ گئی ہیں۔ اسی طرح مکتوبات میں بھی کئی ایسی ضعیف روایات آ گئی ہیں جن سے محدثین کے کان تک ناآشنا ہیں۔

کچھ اسی طرح کی کیفیت زیر نظر کتاب ''محبت باری'' کی بھی ہے۔ جہاں تک روایات و احادیث کا تعلق ہے اس میں بہت کم صحیح احادیث پائی گئی ہیں۔ بعض احادیث مندرجہ کتاب ضعیف ہیں اور ایک اچھی خاصی تعداد موضوع روایات کی بھی موجود ہے۔

محبت الٰہی میں جس قدر ضعیف اور موضوع روایات درج ہیں ان میں سے بعض پر فاضل مترجم نے ''ضمیمہ متعلقہ کتاب محبت'' کے ذیل میں مفصل تنقید کی ہے۔ یعنی پڑھنے والوں کو گمراہی سے بچانے کا پورا انتظام کر دیا ہے (**جزاہ اللہ احسن الجزاء**) میں یہ پورا ضمیمہ تو نقل نہیں کر سکتا۔ صرف ایک جھوٹی روایت پر ان کی تنقید جذبات ممنونیت کے ساتھ درج کئے دیتا ہوں۔ فاضل مترجم اور ناقد صفحہ ۴۹۲ پر لکھتے ہیں۔

''کتاب ہٰذا کے صفحہ ۳۰۶ پر ایک منظوم حکایت بیان کی گئی ہے، جس میں آنحضرت ﷺ کی اپنی اُمت پر شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ لیکن جس طرح آپؐ کی شفقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ یا جس طرح کا انداز اختیار کیا ہے وہ قطعاً صحیح نہیں ہے اس میں کئی ایک چیزیں خلاف شریعت آ گئی ہیں۔ اس منظوم حکایت کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کرتے تھے اور اُمت کی سفارش میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اتفاق سے ایک رات آپؐ کو نیند آ گئی، خدا کی طرف سے وحی آئی کہ آپ کو سونا نہیں چاہئے تھا۔ اس جرم کی سزا آپؐ کو یہ دی جائے گی کہ آپ کی تمام امت کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ سن کر آپؐ شہر سے باہر تشریف لے گئے اور جب تین دن گزر گئے تو صحابہؓ کو تشویش ہوئی۔ جا کر حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ آپؐ کو

معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہاں تشریف لے گئے ہیں؟ آپؓ نے وحی آنے کا واقعہ بیان کیا
اور کہا کہ اس کے بعد آپؐ گھر تشریف نہیں لائے۔ صحابہؓ تلاش کے لئے مدینہ سے باہر
نکلے۔ ایک چرواہا ملا اس سے پوچھا کہ کہیں ہمارے رسولؐ کو دیکھا ہے؟ اس نے کہا آج تین
دن گزر چکے ہیں۔ میری بکریاں گھاس نہیں چرتیں، اس پہاڑ کی طرف منہ کر کے کھڑی رہتی ہیں
جہاں سے نہایت دردناک آوازیں آتی رہتی ہیں۔ یہ سنتے ہی صحابہؓ اس پہاڑ کی طرف دوڑے
۔ دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی تھی اور آپؐ
کا چہرہ اس میں لت پت تھا اور آپؐ رو رو کر امت کی بخشش کی دعائیں کر رہے تھے۔ چاروں
خلفاء نے علی الترتیب عرض کی کہ آپؐ سجدے سے سر اٹھایئے۔ ہم نے اپنی تمام زندگی کے نیک
اعمال آپؐ کی امت کی رہائی کے لئے بخش دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بھی کہا کہ میں نے جو
قرآن جمع کیا ہے اس کا ثواب بھی آپؐ کی امت کو بخشتا ہوں۔ مگر آپؐ نے چاروں خلفاء کو ایک
ہی جواب دیا کہ اس سے میرا کام نہیں چل سکتا۔ جب خدا کی طرف سے حکم آ چکا ہے کہ میں تیری
امت کے تمام افراد کو دوزخ میں ڈال دوں گا تو تمہاری باتوں پر کس طرح اعتبار کر سکتا ہوں
۔ جب صحابہؓ مایوس ہو گئے تو ایک آدمی کو حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں روانہ کیا۔ وہ دوڑتی ہوئی
آئیں اور انہوں نے آنحضرت سے عرض کی کہ آپؐ گھر تشریف لے چلیں۔ میں اپنی زندگی
کے تمام اعمال آپؐ کی امت پر نثار کرتی ہوں۔ آپؐ نے حضرت فاطمہ کو بھی وہی جواب
دیا۔ جب وہ آپؐ سے مایوس ہو گئیں تو انہوں نے اپنا سر برہنہ کیا اور سجدے میں گر گئیں اور رو رو کر
خدا سے دعائیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جبریلؑ تشریف لائے اور خدا کی طرف سے
آنحضرت کو امت کی بخشش کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ خدا نے فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی
اور آپؐ کی امت کو بخش دیا گیا۔ حضرت فاطمہؓ نے صرف آپؐ کی امت کے لئے سفارش کی
تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر فاطمہ تمام دنیا کے لوگوں کے لئے سفارش کرتیں تو میں تمام دنیا کو

بخش دیتا۔ اس کے بعد حضورؐ مع تمام صحابہؓ خوش خوش گھر تشریف لے آئے''۔

اس منظوم حکایت کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد فاضل مترجم نے یہ تبصرہ کیا ہے۔ ''اس حکایت میں خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں (ا) آپؐ نے تمام رات کبھی بھی جاگ کر نہیں گزاری بلکہ آپؐ قریباً آدھی رات سویا کرتے تھے اور آدھی رات قیام فرمایا کرتے تھے کیونکہ سورۃ مزمل میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ آپؐ رات کے کچھ حصے میں سویا کریں اور آدھی رات کے بعد اٹھ کر قرآن پڑھا کریں۔ غور کیجئے کیا آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی خلاف ورزی دیدہ ودانستہ کرسکتے تھے؟

(ب) اس کے بعد یہ بات بھی قابل غور ہے کہ سوئیں تو آنحضرتؐ اور ان نے ضرم کی سزا ملے امت کو! اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

(ج) حضرت عثمانؓ کا اپنے جمع قرآن کے عمل کو پیش کرنا بھی خلاف واقعہ ہے کیونکہ انہوں نے حضورؐ کی زندگی میں قرآن جمع ہی کب کیا تھا؟

(د) حضرت فاطمہؓ کا اپنے سر کو برہنہ کر کے سجدے میں گر پڑنا کہاں جائز ہے؟ حدیث میں آیا ہے کہ جب تک کسی عورت کا سر ننگا رہتا ہے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ کیا حضرت فاطمہؓ ایسا فعل کرسکتی تھیں جس پر خدا کے فرشتے لعنت کریں؟ اس کے علاوہ آنحضرتؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بالغ عورت کی نماز ڈوپٹے کے بغیر قبول نہیں ہوسکتی تو ان کا سجدہ کیسے قبول کرلیا گیا؟

(ہ) سبحان اللہ! کیا مقام ہے حضرت فاطمہؓ کا رسول اللہؐ تو تین دن سے رو رہے تھے۔ آپؐ کے آنسوؤں کی تو خدا نے لاج نہ رکھی، لیکن فاطمہؓ کے آنسوؤں کی لاج رکھ لی گئی اور وہ بھی اس حیثیت سے کہ ان سے بھول ہوگئی جو صرف امت مسلمہ کی سفارش کی اگر وہ پوری دنیا کی سفارش کردیتیں تو خدا تعالیٰ تمام دنیا کے کافروں اور مشرکوں کو بھی بخش دیتا۔ حضرت ابراہیمؑ تمام

زندگی اپنے مشرک باپ کی سفارش کرتے رہے مگر وہ نہ بخشا گیا۔ حضرت نوحؑ نے اپنے مشرک بیٹے کی سفارش کی مگر قبول نہ ہوئی۔ خود آنحضرت ﷺ نے عبداللہ ابن ابی منافق کا جنازہ پڑھا (یعنی دعائے مغفرت کی) مگر وہ نہ بخشا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اے رسولؐ اگر آپؐ اس کے لئے ستر مرتبہ استغفار کریں گے تو بھی میں اسے نہیں بخشوں گا۔

(و) اس حکایت کی ابتداء میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس "حدیث" کو تمام محدثین نے قبول کیا ہے حالانکہ حدیث کی کسی معتبر کتاب میں اس حکایت کا نام ونشان بھی نہیں ملتا۔

(ز) تاریخی لحاظ سے حضورؐ کا اس طرح ایک دن بھی مدینے سے غائب رہنا ثابت نہیں ہے۔

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں یہ سارا واقعہ بناوٹی معلوم ہوتا ہے جسے کسی رافضی نے حضرت فاطمہؓ کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے بنایا ہے۔

(مقتبس از ضمیمہ محبت باری تعالیٰ ص ۴۹۲ تا ۴۹۹)

فاضل مترجم کی اس تنقید کے بعد مجھے اپنی طرف سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے حقیقت پورے طور سے آشکار کردی ہے۔ **جزاہ اللہ خیراً**

اب ہم قلندروں کی محفل میں شرکت کرتے ہیں تاکہ اس جماعت کے علم قلندری سے استفادہ کرسکیں۔ اس کتاب کا نام ہے "تعلیمات قلندریہ" مؤلفہ شاہ محمد تقی حیدر قلندر سجادہ نشین آستانہ کاظمیہ یہ کتاب ان مکتوبات پر مشتمل ہے جو اس سلسلے کے افراد نے اپنے مریدوں اور رشتہ داروں کو لکھے تھے۔

یہ مکتوبات غیر مستند اور غیر معتبر روایات سے معمور ہیں شیخ فریدالدین عطار نے اپنے تذکرۃ الاولیاء میں جس قدر حکائتیں اور داستانیں سپرد قلم کی ہیں۔ ان میں سے کسی کی سند نہیں لکھی۔ لوگوں نے ان غیر مستند داستانوں کو محض شیخ عطار کی شخصیت اور ان کی بزرگی کے پیش نظر قبول کرلیا یا از راہ ادب سکوت اختیار کیا۔ اس طرح یہ مضرت رساں رسم حلقہ صوفیاء میں جاری ہو

گئی۔ نہ کسی تذکرہ نویس نے اسناد کا التزام کیا اور نہ مرتب ملفوظات نے تحقیق کی زحمت گوارا کی۔ فقہی تقلید نے پہلے ہی سے ذوق تحقیق وتنقید کو مضمحل کر دیا تھا۔ رہی سہی کسر صوفیانہ تقلید نے پوری کر دی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پوری قوم ذوق تحقیق سے بیگانہ ہوگئی۔ ممکن ہے ناظرین و قارئین میری اس حق پژوہی اور راست بیانی سے چیں بجبیں ہوں اس لئے میں ان کے محبوب اور معتمد علیہ شاعر کو اپنی صفائی میں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تہی
رہ گئے صوفی و مُلا کے غلام اے ساقی

یعنی اے خدا! میری قوم میں صدیوں سے کوئی محقق پیدا نہیں ہوا۔ صرف صوفیاء اور فقہاء کے غلام (مقلد) باقی رہ گئے ہیں۔

صرف ایک شعر اور سن لیجئے۔

حلقہ شوق میں وہ جرات رندانہ کہاں
آہ! محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق!

صوفیوں کے مکتوبات ہوں یا ملفوظات اور صوفیاء کے تذکرے ہوں یا سوانح حیات، کسی میں سند کا التزام نظر نہیں آتا۔ بس نقل ہے کہ، یہ تین لفظ بالکل کافی ہیں ان تین طلسمی الفاظ کے بعد جو چاہیں لکھ دیں۔ قرآن، حدیث، تاریخ، سیرت اور عقل سلیم، جس کی چاہیں تردید کردیں کوئی شخص آپ پر معترض نہیں ہوگا بلکہ یہ بھی دریافت نہیں کرے گا کہ اس روایت کی سند کیا ہے؟

میں اس سے پہلے اپنے دعوے پر بہت سے شواہد اور دلائل پیش کر چکا ہوں۔ ایک شاہد اسی تعلیمات کی کتاب سے پیش کر کے قارئین کی ضیافت یا تفریح طبع کا سامان مہیا کرتا ہوں۔ پہلے محمد کاظم قلندر کا علمی دستگاہ کا حال بیان کرتا ہوں۔ پھر ان کے مکتوب سے صرف ایک فقرہ نقل کروں گا۔

واضح ہو کہ ''عارف باللہ'' شاہ محمد کاظم قلندر ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انہوں نے علوم

سیدا اپنے زمانے کے بہترین علماء اور اساتذہ مشلاً ملا غلام یحییٰ بہاری اور ملا حمد اللہ سندیلی سے
حاصل کئے تھے۔ انہوں نے ۱۲۲۱ ھ میں وفات پائی۔

چونکہ اس مضمون کے نوے فی صد پڑھنے والے ان عالموں کے علمی مقام سے ناواقف ہیں
۔ اس لئے میں چند سطور ان کے بارے میں لکھنی بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ واضح ہو کہ ملا غلام یحیٰ
بہاری اپنے زمانے کے بہت نام آور منطقی تھے انہوں نے میر زاہد پر جو حاشیہ لکھا تھا وہ بقول سید
سلیمان ندوی مرحوم، درس نظامیہ کی معراج ہے اور اسی لئے عرصہ دراز سے نصاب سے خارج ہو
چکا ہے کہ اب اس کے پڑھانے والے "مفقود الخبر" ہو چکے ہیں۔

نوک کی بات یہ ہے کہ جب منطق اور کلام میں خدا نہ مل۔ سکا تو ملا بہاری مرحوم نے جنید وقت
اور بایزید عصر حضرت اقدس میرزا مظہر جانجاناں شہیدؒ کے آستانے کی خاک کو طوطیائے چشم
تب کہیں جا کر محبوب حقیقی کا جلوہ نظر آیا۔ بالکل سچ کہا ہے اقبالؒ نے:۔

مرا از منطق آید بوئے خامی — دلیل او، دلیل ناتمامی

درو لہائے بستہ را کشاید — دو بیت از پیر رومی یا ز جامی

اب رہے ملا حمد اللہ تو یہ بھی اپنے زمانے کے مشہور منطقی تھے سندیلہ ضلع ہردوئی کے رہنے
والے تھے حسن اتفاق دیکھئے کہ انہوں نے اور ان کے ہم عصر قاضی مبارک گوپاموئی دونوں
سُلم العلوم کی شرح لکھی اس کے دو حصے ہیں۔ تصورات اور تصدیقات۔ اول الذکر کی
تصورات مسومہ قاضی مبارک اور آخر الذکر کی شرح تصدیقات موسومہ حمد اللہ آج بھی درس نظامیہ
میں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اب ان کے پڑھانے والے بھی خال خال
گئے ہیں اور اگر پاکستان میں انگریزی کے اقتدار کا یہی عالم رہا (اور زوال کی کوئی صورت
آتی۔) تو وہ دن دور نہیں ہے جب غلام یحییٰ کی طرح قاضی اور حمد اللہ بھی نصاب سے خارج ہو
جائیں گے۔

بازآمدم برسر مطلب، محمد کاظم کی علمی استعداد کا ناظرین کو بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یہ صاحب
ے برادر حقیقی میر محمد قلندر کو ایک خط میں لکھتے ہیں ''اگر اتفاق شود ناد علیؑ ہزار بار وقت پاس آخر
ب مداومت کنند لیکن بایں طور کہ برزخ حضرت علی کرم اللہ وجہہ بصورت آفتاب بدست راست
ی فقیر را بدست چپ تا خواندن در تصور دارند بسیار فوائد خواہند شد۔ صفحہ ۴۰''

یہ ''عارف باللہ'' اپنے بھائی کو ''ناد علی'' کا وظیفہ پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے یہ ''ناد علی'' کیا
ہ یہ داستان قبل ازیں لکھ چکا ہوں اور واضح کر چکا ہوں کہ مہم تبوک میں قطعاً کوئی جنگ واقع
ہ ہوئی تھی لہٰذا جبریلؑ کا آں حضرت ﷺ کو یہ مفرضہ دعا تلقین کرنا کہ نادعلیاً مظہر العجائب الخ
ر بے بنیاد، بے اصل اور دروغ ہے۔ جنگ کا افسانہ اور آنحضرت ﷺ کا یہ دعا پڑھنا بالکل
ٹ اور بہتان ہے لیکن اس عارف باللہ کو مظفر علی شاہ کی طرح اتنا بھی معلوم نہیں کہ تبوک میں
ی نزول نہیں ہوا تھا۔ وہ عارف ہونے کے باوجود اس جعلی دعا کو اصلی سمجھ رہا ہے اور اپنے بھائی کو
ے پڑھنے کی تلقین کر رہا ہے چونکہ ''عارف باللہ'' ہے اس لئے کس میں ہمت ہے کہ اس کی
ویا تکذیب کر سکے! اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان عارفوں نے اپنی جہالت کی بدولت کتنے
ں کو گمراہ کیا ہو گا۔

ن مکتوبات میں بہت سی روایات خلاف شرع اور خلاف عقل درج ہیں۔ دل پر جبر کر کے
ی یہ روایت ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ شاہ تراب علی قلندر، سفیر شاہ اودھ، امیر عاشق علی خاں
ے میں کہ نقل ہے کہ ''خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا ایک ہمسایہ تھا جو ان کا پیر بھائی تھا
ن ہارونی کا مرید تھا جب وہ مرا تو خواجہ صاحب جنازے کے ساتھ گئے اور دفن کے بعد
مراقب ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا رنگ زرد ہو گیا مگر فوراً بحال ہو گیا۔ کسی نے ان
سبب پوچھا تو کہنے لگے کہ دفن کے فوراً بعد عذاب کے فرشتے ان کی قبر میں آن پہنچے مگر اسی
سیدو بھی آگئے اور فرشتوں کے منہ پر تھپڑ مار کر بولے کہ خبردار! اسے عذاب نہ دینا کیونکہ یہ

میرا مرید ہے، فرشتوں کو (منجانب اللہ) حکم ہوا کہ خواجہ سے کہو کہ یہ شخص آپ (کی تعلیم) کے خلاف
زندگی بسر کرتا رہا تھا۔ خواجہ نے یہ سن کر کہا' تم سچ کہتے ہو لیکن اس نے (زندگی میں) میرا دامن پکڑ
تھا (خود را بہ پلہ من بستہ است) خواجہ کا یہ جواب سن کر فرشتوں کو حکم ہوا کہ خواجہ کے مرید سے
دستبردار ہو جاؤ، اسے خواجہ کے حوالے کر دو کیونکہ میں نے اسے خواجہ کو بخش دیا۔ یہ طلسم ہوشربا لکھ
کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ پس بلاشبہ پیراں شافع مریداں خود می شوند"۔ ص ۱۷۵

میں اس دروغ بے فروغ پر کوئی تبصرہ نہیں کروں گا صرف اتنا لکھوں گا کہ پیر وہ ہستی ہے
جس کے سامنے خدا کی بھی کوئی ہستی نہیں ہے۔ **اعوذ باللہ من ذالک الخدافات**
اگر تصوف اسی کا نام ہے اور پیروں کا یہی کام ہے تو ایسے تصوف اور ایسے پیروں سے اللہ تعالیٰ
مسلمان بلکہ ہر انسان کو محفوظ رکھے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

قلندروں کے ان مکتوبات کے مطالعے سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ اس طائفے کا ہر فرد مائل
بہ تشیع تھا بلکہ تفضیلی عقائد رکھتا تھا یہی وجہ ہے کہ دو سو صفحات کی اس کتاب میں کہیں حضرات
صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کا تذکرہ نہیں ہے حالانکہ اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ حضرات
شیخین تمام صحابہؓ سے افضل ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ عبدالرحمٰن قلندر لاہرپوری نے، مسعود
قلندر الہ آبادی کو جو خط لکھا ہے اس میں صاف لفظوں میں مرقوم ہے کہ ولایت نبوت سے افضل
ہے کیونکہ نبوت قید ہے اور ولایت آزادی ہے۔ چنانچہ مولوی رومی فرماتے ہیں۔

کیست مولیٰ؟ آنکہ آزادت کند — بند رقیت ز پایت برکند
زیں سبب پیغمبر با اجتہاد — نام خویش و آں علی مولا نہاد

(ص ۱۲۹ و ۱۳۰)

چونکہ مکتوب عبدالرحمٰن قلندر مذکور کے اس گمراہ کن اقتباس سے اس کتاب کے پڑھنے والوں
کے ذہنوں میں خلجان اور اضطراب پیدا ہونا یقینی ہے۔ اس لئے اس باب میں رفع اشتباہ اور ا

ضلالت کے لئے اہل سنت کا مسلک بیان کر دینا ضروری ہے۔
(۱) تمام محققین اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ نبوت بہر حال ولایت سے افضل ہے۔
(۲) ولایت، غیر قرآنی اصطلاح ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ ولایت کہیں مذکور نہیں۔
(۳) ولایت علی کا عقیدہ سبائیہ باطینہ اسمٰعیلیہ قرامطہ کا وضع کردہ ہے۔ اسی فرقہ ضالّہ نے یہ
عقیدہ بھی وضع کیا کہ **الولایة افضل من النبوة** اور اسی طائفہ باطلہ نے یہ جملہ بعض
صوفیاء کی تصانیف میں اپنی طرف سے داخل کر دیا۔ پھر صدیوں تک نقل در نقل ہوتے رہنے کی وجہ
سے یہ عقیدہ بعض جاہل سنی صوفیوں میں خصوصاً غیر متشرع خانوادوں مثلاً شطاریہ، قلندریہ،
مداریہ، روشنائیہ، رسول شاہیہ وغیرہم میں مقبول بلکہ مدار علیہ بن گیا۔ چونکہ صوفیاء بالعوم اور یہ
طائفے بالخصوص علم حدیث، علم تاریخ اور سیرة النبیؐ سے بیگانہ ہوتے ہیں اس لئے کسی صوفی نے
زحمت تحقیق گوارا نہ کی اور رفتہ رفتہ جھوٹ سچ بن گیا۔
(۴) قارئین کی آگاہی کے لئے یہ وضاحت بھی کئے دیتا ہوں کہ قرآن کی رو سے ہر مومن
ولی اللہ (اللہ کا دوست) ہے اور خود اللہ ہر مومن کا ولی (دوست) ہے۔ ولایت بمعنی دوستی ثمرہ ہے
اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد اعمال صالحہ بجالانے کا یہی وجہ ہے کہ عقیدہ ولایت کا
قرآن میں کہیں تذکرہ نہیں اور نہ یہ کوئی منصب ہے جو کسی فرد سے مختص کیا گیا ہو جس طرح نبوت
ایک منصب ہے جو ختم نبوت سے پہلے بعض افراد کو عطا کیا جاتا رہا ہے۔
(۵) ولایت کے لئے ''نصب'' مطلق نہیں ہے کیونکہ یہ کوئی منصب ہی نہیں ہے اللہ جانتا تھا
کہ باطل پرست ولایت علی کا عقیدہ باطلہ وضع کریں گے اور رسول اللہؐ کی رسالت کا مقصد یہ
قرار دیں گے کہ اللہ نے انہیں لوگوں سے ولایت علی کی بیعت لینے کے لئے مبعوث کیا تھا۔ اسی
لئے اللہ نے سارے قرآن مین لفظ ولایت (واؤ کے زیر کے ساتھ استعمال نہیں فرمایا، تا کہ ظلمت
پرستوں کو قرآن سے کوئی سند نہ مل سکے۔ **الحمد للّٰه علٰی ذلك من جميع**

(۶) قارئین کی تسلی کی خاطر کے لئے وہ آیت قرآنی ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اللّٰہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور (۲۵۷-۲)

اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لاتے ہیں، (اس دوستی کا ثمرہ یہ ہے کہ) اللہ انہیں (کفر وشرک وبدعات کی) تاریکیوں سے نکال کر (قرآن اور ہدایت) روشنی میں لے آتا ہے۔

(۷) اللہ سے دوستی کرنے (درجہ ولایت پر فائز ہونے) کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر مومن بلاواسطہ ولی اللہ بن جاتا ہے اور اللہ اس کا ولی بن جاتا ہے۔

(۸) رومیؒ کے اشعار کا وہ مطلب ہی نہیں ہے جو یہ فاضل قلندر سمجھا ہے اور نہ رومیؒ ایسی گمراہ کن بات کہہ سکتے ہیں۔ ان کی مثنوی میں اگر کوئی بات قرآن حکیم کے خلاف نظر آئے تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ کسی باطنی کی کارستانی ہے یا کسی سبائی کی تدسیس ہے۔

(۹) مولوی رومی کہتے ہیں۔

کیست مولا؟ آنکہ آزادت کند — بند رقیت زپایت برکند

چوں بآزادی نبوت ہادی است — مومناں راز انبیاء آزادی است

مولا (آقا یا ہادی) کون ہے؟ وہ ہے جو تجھے (کفر وشرک کی غلامی سے) آزاد کردے اور غلامی کی زنجیر تیرے پاؤں سے دور کردے۔ چونکہ نبوت آزادی کی راہ دکھاتی ہے۔ اس لئے مومنوں کو انبیاء کی بدولت آزادی کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔

اب قارئین خود غور کرلیں کہ مولوی رومی کیا کہہ رہے ہیں اور یہ لاہر پوری قلندر کیا کہہ رہا ہے۔ رومی صاف لفظوں میں کہہ رہے ہیں کہ آزادی انسان کو نبوت کی بدولت حاصل ہوتی ہے لیکن قلندر کہہ رہا ہے کہ ولایت کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔ نبوت تو قید ہے!

بانی سلسلہ کی دیگر تصانیف

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کی بے مثال ترقی اور موجودہ دور میں زوال وانحطاط کی وجوہات
اسلامی تصوف کیا ہے؟ سلوک طے کرنے کا عملی طریقہ، سلوک کا ماحصل اور سلوک کے ادوار
ایمان محکم کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ عالم روحانی کی تشریح، جنت، دوزخ کا محل وقوع
اوران کے طبقات کی تعداد، انسانی روح کی [illegible] کیا ہے؟ روح کا دنیا میں آنا اور
واپسی کا سفر، اسلامی عبادات، معاملات، اور [illegible] آداب کے اسرار و رموز اور نفسیاتی
اثرات، امت مسلمہ کے لئے اپنے کھوئے [illegible] مقام کے حصول کیلئے واضح لائحہ عمل۔

کتاب ہذا بانی سلسلہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ کے خطبات پر مشتمل ہے۔ جو آپ نے سالانہ
اجتماعات پر ارشاد فرمائے اسمیں درج ذیل خصوصی مسائل پر روشنی ڈالی گئی۔
سلوک وتصوف میں ذاتی تجربات، مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور کا حال۔
زوال امت میں امراء، علماء، صوفیا کا کردار۔ علماء اور صوفیاء کے طریق اصلاح کا فرق۔
تصوف خفتہ اور بیدار کے اثرات اور تصوف کے انسانی زندگی پر اثرات۔
سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی۔

یہ کتاب سلسلہ عالیہ توحیدیہ کا آئین ہے۔ اس میں سلسلے کی تنظیم اور عملی سلوک کے طریقے
تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ جو لوگ سلسلہ میں شامل ہونا چاہتے ہیں انہیں یہ
کتاب ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے تصوف کی تاریخ میں پہلی
مرتبہ فقیری کا مکمل نصاب اس چھوٹی سی کتاب میں قلم بند کر دیا ہے۔ اس میں وہ تمام
اوراد و اذکار اور اعمال و اشغال تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیئے ہیں جس پر عمل کر کے
کے ایک سالک اللہ تعالیٰ کی محبت، حضوری، لقاء اور معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

کتاب ہذا وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور اہم دستاویز ہے
خواجہؒ صاحب نے ذاتی مشاہدہ کو عام فہم دلائل کی روشنی میں آسان زبان میں بیان کیا
ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فرق۔
انسان کی بقا اور ترقی کیلئے مذہب کیوں ناگزیر ہے۔
وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں۔